Scanned by CamScanner

ناول کا سفر

ڈاکٹر محمد اشرف کمال

اردو میں ناول نگاری نے بڑی تیزی سے مقبولیت حاصل کی۔ قصہ اور کہانی کے حوالے سے دوسری اصناف اپنی جگہ لیکن ناول کی صنف پہلے دن سے لے کر آج تک معروف ومقبول دکھائی دیتی ہے۔ انیسویں صدی سے اپنا سفر شروع کرنے کے بعد بیسویں صدی میں داخل ہو کر اس نے کئی تکنیکی اور موضوعاتی زاویے اختیار کیے۔ کئی نظریات کی کھائیوں اور واقعات کی بلندیوں کا سفر طے کرتے کرتے جہاں اس نے بہت سے تاریخ کے پہلوؤں کو اپنے دامن میں بھر لیا، وہاں اس کے آنچل میں بے شمار کسمساتی خواہشیں، انگڑائیاں لیتے خواب اور رومان انگیز مناظر بھی اپنی پوری جھلملاہٹ کے ساتھ موجود ہیں۔

اُردو ناول کا آغاز انیسویں صدی میں ہوا اور بیسویں صدی تک اس نے بطور صنف مقبولیت حاصل کر لی۔ انیسویں صدی میں مولوی کریم الدین دہلی کالج سے تعلیم یافتہ کا ناول خط تقدیر ۱۸۶۲ء میں سامنے آیا۔(۱) یہ ناول حرف آغاز اور مقدمہ کے بعد گیارہ سیروں پر مشتمل ہے خطِ تقدیر ایک اصلاحی ناول ہے۔ جسے داستان اور ناول نگاری کی درمیانی کڑی قرار دیا جاتا ہے۔

دہلی کالج ہی کے تعلیم یافتہ مولوی نذیر احمد کا ایک قصہ ''مراۃ العروس'' لکھا جو کہ ۱۸۶۹ء میں شائع ہوا۔ یہ قصہ انھوں نے اپنی بیٹی کو پڑھانے اور تربیت کے لیے لکھا تھا۔ مراۃ العروس اپنی تمام تر فنی خامیوں کے باوجود اُردو میں پہلا ناول ہونے کا اعزاز رکھتا ہے۔

اسی دور میں جب کہ اُردو زبان میں ڈپٹی نذیر احمد کا ناول ''مراۃ العروس'' لکھا گیا، دس بارہ دیگر لکھنے والوں کے ناول بھی منظر عام پر آئے۔ ان میں معروف غزل گو شاعر شاد عظیم آبادی کا ''صوت الخیال عرف ولایتی کی آپ بیتی'' ۱۸۷۶ء میں اور ''بدھاوا'' ۱۸۸۹ء میں سامنے آیا۔ مولوی عبدالجبار خان کا ناول 'مخبر الواقعات' ۱۸۸۱ء اور 'مخبر المحسنات' ۱۸۸۲ء میں، منشی حسن علی و منشی محمد اعظم کا ناول ''نقش طاؤس'' ۱۸۸۸ء میں، مولوی افضل الدین احمد کا ناول 'فسانۂ خورشیدی' ۱۸۸۶ء میں، سید فرزند احمد صفیر بلگرامی کا ناول 'جوہر مقالات' حصہ اول ۱۸۸۷ء میں، سید سجاد علی کا ناول 'نئی نویلی' ۱۹۹۸ء میں، منشی محمد اعظم کا ناول 'راز بستہ'، سید خلیل الرحمن بی اے کا ناول 'سرمخفی' (اردو کا پہلا طبع زاد جاسوسی ناول) سید علی سجاد عظیم آبادی کا 'محل خانہ'، مولوی غیاث الدین بلخی کا 'طرز معاشرت'، علی اسلم عظیم آبادی کا فسانۂ شریفی اور سید محمد حنیف فائز عظیم آبادی کا ناول 'رفیق وانیس' منظر عام پر آئے۔

رشیدہ النساء اردو کی پہلی ناول نگار خاتون ہیں۔ ان کا ۱۸۸۱ء میں لکھا گیا ناول ''اصلاح النساء'' کے نام سے ۱۸۹۴ء میں سامنے آیا۔ رشید النساء براہ راست ڈپٹی نذیر احمد سے متاثر تھیں۔ یہ قصہ عورتوں کی اصلاح کے لیے لکھا گیا ہے۔

درج بالا ناولوں کے علاوہ محمدی بیگم کا ناول ''صفیہ بیگم''، صغریٰ ہمایوں کا ناول ''مشیر نسواں'' وغیرہ بھی انیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں سامنے آئے۔

نواب سید محمد آزاد کا ناول ''نوابی دربار'' ۱۸۷۸ء میں سامنے آیا۔ نواب افضل الدین احمد کا ناول 'فسانۂ خورشیدی' کے نام سے ۱۸۸۶ء میں سامنے آیا۔

سید فرزند احمد صفیر نے دو ناول لکھے۔ ''جوہر ملاقات'' (۱۸۸۶) اور ''گلبن موزوں''۔ ''جوہر ملاقات'' انیسویں صدی کے آخری دور کے ماحول کو واضح کرتا ہے۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار نے اپنا ناول 'فسانہ آزاد' ۱۸۷۸ء میں اودھ اخبار میں قسط وار شائع کیا۔ ''فسانۂ آزاد''، ''جام سرشار''، ''سیر کہسار''، ''کامنی''، ''طوفان بدتمیزی'' ''کڑم دھم انیسویں صدی میں شائع ہوئے۔ ''کڑم دھم'' کا دوسرا ایڈیشن لکھنو سے ۱۹۱۵ء میں، ''بچھڑی دلہن''، ''ہشو'' کے نام سے ایک ناول مطبع سیٹھ کندن لال لکھنو سے ۱۹۱۵ء میں، ان کا ایک ناولٹ ''پی کہاں''، مطبع شمس المطابع لکھنو سے ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا۔

بیسویں صدی کے آغاز میں عبدالمغنی استھانوی کا ناول ''مسماۃ گیندھریا کی سوانح عمری'' ۱۹۰۶ء میں، محمد ضمیر الدین عرش گیاوی کا ناول ''ثمرۂ نافرمانی'' ۱۹۰۱ء، سید احمد باروی ثم دہلوی کا ناول ''راحت زمانی کی مزید کہانی'' ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئے۔

امداد امام اثر (۱۸۴۹ء۔۱۹۳۳ء) کا ناول ''فسانۂ ہمت'' ۱۹۳۰ء کے قریب شائع ہوا۔ محمد علی طبیب (۱۸۵۳ء۔۱۹۱۸ء) بھی ایک ایسے ناول نگار ہیں جو کہ انیسویں اور بیسویں صدی کے سنگم پہ کھڑے ہیں۔ ان کے ناولوں میں عبرت، نیل کا سانپ، جعفر و عباسہ، خضر خان دیول دیوی، رام پیاری تاریخی موضوعات پر لکھے گئے ہیں جبکہ اختر و حسینہ، حسن و سرور اور گوراان کے معاشرتی ناول ہیں۔

منشی سجاد حسین نے جہاں افسانے لکھے ہیں وہاں حاجی بغلول، کایا پلٹ، ہوائی، احمق الذی (۱۹۰۲ء)، میٹھی چھری (۱۹۰۶ء)، طرح دار لونڈی، نقش و نقاش، نواب فرید اور ابن مسلم جیسے ناول بھی تحریر کیے ہیں۔ ان تمام ناولوں میں ان کا اسلوب مزاحیہ ہے۔ خاص طور پر حاجی بغلول کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

منشی سجاد حسین کا طبع زاد ناول احمق الذی غالباً اُردو کا پہلا مزاحیہ ناول ہے۔ (۲)

سجاد حسین انجم کسمنڈوی (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۳ء) میں ہوا کے ناولوں میں 'کائنات'، 'بگلا بھگت' اور 'حیات شیخ چلی' شامل ہیں۔ ان کے ناولوں میں زیادہ تر مزاح پایا جاتا ہے۔

بیسویں صدی کے آغاز میں مرزا محمد ہادی رُسوا (۱۸۵۸ء۔۱۹۳۱ء) اُردو ناول نگاری کے حوالے سے ایک اہم نام ہے۔ حیدر آباد میں مترجم کی نوکری کے دوران بہت سی کتابوں کے ترجمے کیے، ان کتابوں میں کئی نفسیات کے علم کی کتابیں بھی شامل تھیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں ملازمت کے سلسلے میں موجود رہے، اور یہیں ان کو اورینٹل کولمبیا یونیورسٹی امریکہ کی طرف سے Ph.D. کی اعزازی ڈگری بھی دی گئی۔ ان کے ناولوں میں امراؤ جان ادا، شریف زادہ (۱۹۰۰ء)، ذات شریف، افشائے راز (۱۹۰۲ء)، اختری بیگم، خونی شہزادہ شامل ہیں۔ دیگر موضوعات پر بھی کتابیں لکھیں۔ ان کے ناولوں میں امراؤ جان ادا بہت مشہور ہوا۔ اس کا سن تصنیف ڈاکٹر سلیم اختر نے ۱۹۰۱ تحریر کیا ہے۔ (۳)

بقول یوسف سرمست ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے ناولوں کو قصہ کہا جبکہ شرر اور رسوا نے سب سے پہلے شعوری طور پر ناول نگاری شروع کی۔ (۴)

مرزا ہادی رسوا کا ناول ''امراؤ جان ادا'' ایک نفسیاتی ناول بھی ہے اور اردو کا پہلا مکمل ناول کہلانے کا حقدار بھی ہے جو کہ ناول کے فنی تقاضوں پر پورا اترتا ہے۔ اس کا پلاٹ منفرد اور عمدہ ہے۔ امراؤ جان ادا مکالمہ نگاری، کردار نگاری اور منظر نگاری کے حوالے سے بھی ایک عمدہ ناول ہے۔ ناول ''امراؤ جان ادا'' میں لکھنو کی معاشرت کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس کی کہانی ایک طوائف کی زندگی کے نشیب و فراز پر مبنی ہے۔ امراؤ جان ادا ایک ایسا ناول ہے جس میں نہ صرف لکھنؤ کی تہذیب دکھائی گئی ہے بلکہ مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے کرداروں کی نفسیات بھی بیان کی گئی ہے۔

امراؤ جان ادا ایک خوبصورت لڑکی تھی جس میں صنف نازک کی بہت سی خصوصیات جمع ہوگئی تھیں۔ امراؤ جان ادا نے خود... اتنا زیادہ حسین قرار نہیں دیا۔ رسوا کے جواب میں امراؤ جان ادا اپنا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

"کھلتی ہوئی چمپئی رنگت تھی، ناک نقشہ خیر کچھ ایسا برا نہ تھا۔ ماتھا کسی قدر اونچا تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ بچپنے کے پھولے پھولے گال تھے۔ ناک اگرچہ ستواں نہ تھی مگر چپٹی اور پھینیا پھری بھی نہ تھی۔ ڈیل ڈول بھی سن کے موافق اچھا تھا۔ اس قطع پر پاؤں میں لال گلبدن کا پائجامہ چھوٹے چھوٹے پائنچوں کا، نول کا نیفہ، نینوں کی کرتی، تنزیب کی اوڑھنی، ہاتھوں میں چاندی کی تین تین چوڑیاں، گلے میں طوق، ناک میں سونے کی نتھنی، اور سب لڑکیوں کی نتھنیاں چاندی کی تھیں۔ کان ابھی تازے چھدے تھے ان میں صرف نیلے ڈورے پڑے تھے۔ سونے کی بالیاں بننے کو گئی تھیں۔" (۵)

مرزا رسوا کو زبان پر پورا عبور حاصل ہے۔ اس ناول میں ان کی زبان دانی اور روزمرہ کے حوالے سے لکھنوی زبان کی چاشنی پائی جاتی ہے۔ اس ناول میں مرزا رسوا نے عورتوں کے جذبات اور نفسیات کی عکاسی خوبصورت الفاظ میں کی ہے۔ مرزا رسوا امراؤ جان ادا کی زبانی عورت کے چاہے جانے کے حوالے سے جذبات کی عکاسی کچھ یوں کرتے ہیں:

"مرزا رسوا صاحب میرے نزدیک ہر عورت کی زندگی میں ایک وہ زمانہ آتا ہے جب وہ چاہتی ہے کہ اسے کوئی چاہے۔ یہ نہ سمجھے گا کہ خواہش چند روزہ ہوتی ہے بلکہ عنفوان شباب سے اس کی ابتدا ہوتی ہے اور سن کے ساتھ ہی اس کا نشوونما ہوتا رہتا ہے۔ جس قدر سن بڑھتا ہے اسی قدر یہ خواہش بڑھتی رہتی ہے۔" (۶)

ناول میں اہم چیز اس کا طرز اظہار ہے۔ خیال اور پلاٹ تو اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں ہی مگر اس کے ساتھ ساتھ جس مہارت کے ساتھ پوری کہانی کو مرزا رسوا نے گرفت میں رکھا ہے اس کا جواب نہیں۔ انداز بیان اور اسلوب کی چاشنی کے حوالے سے محمد حسن لکھتے ہیں:

"انداز بیان اور لطف زبان کے اعتبار سے بھی امراؤ جان ادا اردو کے چند کامیاب ترین ناولوں میں سے ہے۔۔۔ مرزا رسوا نے اس قصے کو امراؤ جان ادا کی زبانی بیان کر کے نسوانی زبان کی گھلاوٹ نرمی اور بے تکلفی اور رنگینی پیدا کرنے کا جواز نکال لیا ہے۔ انداز بیان سادہ بھی ہے اور رنگین بھی لیکن یہ رنگینی مرصع کاری سے پیدا نہیں ہوئی ہے بلکہ گفتگو کے لب لہجے اور بے ساختگی سے ابھری ہے۔" (۷)

امراؤ جان ادا کا اصل نام امیرن ہے، اس ناول کے کرداروں میں امراؤ جان ادا کا باپ سیدھا سادہ آدمی ہے اور مقبرے کا جمعدار ہے، اس کا دشمن بدمعاش دلاور خان امراؤ جان ادا کو اغوا کر لیتا ہے۔ اس کے بعد ناول میں خانم کا کردار اہم ہے جو کہ ایک کوٹھے کی ناظم ہے، خادمہ بوا حسینی جو کہ امراؤ کو اپنی بیٹی سمجھتی ہے۔۔ بوا حسینی کا خاوند مولوی صاحب ہے۔ مولوی صاحب اور بوا حسینی نے امراؤ کو امراؤ جان ادا بنایا شعر و شاعری سکھائی۔

یہاں کچھ اور کردار متعارف ہوتے ہیں جن میں امیر جان جو کہ نزاکت میں یکتا ہے، بدصورت بیگا جان گانے میں ماہر، پری پیکر خورشید جو کہ محبت کی پیاسی ہے، اور بسم اللہ جان۔ خود پسند راشد صاحب اور اس کے علاوہ شریف، صاحب ذوق نواب سلطان اور اس کا وفادار نوکر۔

اس ناول کا مرکزی کردار "امراؤ جان" ادا کا ہے۔ رسوا نے "امراؤ جان ادا" کے کردار میں جہاں ایک طوائف کی زندگی کی کہانی بیان کی ہے وہاں اسے ایک بلند پایہ شاعر اور گلوکار بھی دکھایا ہے جو دوسری طوائفوں کی نسبت عادت کی بھی بہت اچھی

ہے۔جیسے جیسے ناول پڑھتے جاتے ہیں ویسے ویسے امراؤ جان ادا کی شخصیت کا تاثر بڑھتا جاتا ہے اور اس سے ایک ہمدردی دل میں جنم لینے لگتی ہے۔کیونکہ بحیثیت مجموعی وہ ایک شائستہ عورت کے روپ میں سامنے آتی ہے۔امراؤ جان ادا کا کردار تخلیق کرنے میں رسوا نے بہت محنت سے کام لیا اس کے شباب اور حسن کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی کہ ناول میں رنگینی پیدا ہوتی گئی پھر اس کی سیرت کے حوالے سے قلم اٹھایا تو اس حوالے سے بھی رسوا نے اس کے کردار کو بوسیدگی اور [illegible] سے بچاتے ہوئے معتبر لفظوں میں بیان کیا ہے۔

مرزا ہادی رسوا نے امراؤ جان ادا کے علاوہ بھی کئی ناول تحریر کیے ہیں وہ امراؤ جان ادا جیسی شہرت تو نہیں رکھتے مگر پھر بھی اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں۔

مرزا رسوا کے ناولوں سے ایک نیا رنگ شروع ہوتا ہے۔امراؤ جان ادا،شریف زادہ،اور ذات شریف کا مصنف جدید رنگ کا ہے رسوا نے تاریخی ناول نگاری چھوڑ کر حقیقت نگاری کو شعار بنایا۔انھوں نے اپنے ناولوں کو اپنے زمانے کی تصاویر سے سجایا بسایا۔روزمرہ کی زندگی سے پلاٹ اخذ کیے۔مرزا ہادی رسوا کا ناول ''شریف زادہ'' اپنے موضوع کے اعتبار سے امراؤ جان ادا سے مختلف ہے۔اس ناول میں مرزا ہادی رسوا نے شخصیت نگاری کو جس طرح پیش کیا اور مہارت سے بیان کیا ہے اس سے سوانح نگاری کی خصوصیات پیدا ہوئی ہیں۔

اپنے ناول افشائے راز میں مرزا رسوا نے رومانی انداز اختیار کیا ہے۔بیسویں صدی میں سامنے آنے والے ایک اور ناول ''اختری بیگم'' میں اوسط اور ادنیٰ طبقے کی عکاسی کی گئی ہے۔مرزا رسوا نے اپنے علم،وسیع مشاہدے اور نفسیاتی موشگافیوں کو اپنی ناول نویسی میں بھی استعمال کیا ہے بلکہ ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔یہی وجہ سے ہے امراؤ جان ادا جیسے ناول کو ہم ایک نفسیاتی ناول کہنے میں حق بجانب ہیں بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

> ''مرزا رسوا پہلے ادیب ہیں جنھوں نے ادب کی پرکھ کے لیے نفسیاتی اصولوں سے کام لینے کی تلقین کرتے ہوئے خود بھی ان ہی اصولوں کے تحت اظہار خیال کیا۔''(۸)

مرزا ہادی رسوا کا نفسیات کے حوالے سے گہرا اور وسیع مطالعہ رکھتے تھے،اسی وسیع مطالعے کو سماجی مشاہدے کے ساتھ ملا کر انھوں نے امراؤ جان ادا کے کرداروں کی تحلیل نفسی کی۔مرزا رسوا ایک جامع الحیثیات شخصیت کے مالک تھے۔انھوں نے کئی حوالوں سے قلم اٹھایا۔اپنے ناولوں میں گہرے سماجی مطالعے کو بروئے کار لاتے ہوئے ان مسائل کی طرف دھیان دیا جو کہ معاشرے کے چھپتے ہوئے مسائل تھے۔اور اپنی اس کوشش میں وہ ایک کامیاب فنکار کے طور پر یاد کیے جاتے ہیں۔

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنؤ کے محلہ جھوائی ٹولہ میں ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ان کے والد حکیم تفصیل حسین ایک اعلیٰ پائے کے طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ عربی فارسی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔شرر نے اپنا پہلا ناول ''دلچسپ'' کے نام سے ۱۸۸۵ء میں لکھا۔دوسرا ناول ''دلکش'' کے نام سے لکھا۔دلگداز کے نام سے ایک ماہنامہ ۱۸۸۷ء میں جاری کیا۔انھوں نے اردو میں تاریخی ناول کا بھی آغاز کیا۔بہت سے ناول لکھے اور مختلف رسالے بھی نکالے۔۱۹۲۶ء میں ان کا انتقال ہوا۔

> ''اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ شرر نے اردو میں ناول کو ایک مسلمہ فن کی طرح برتنے کی بنیاد ڈالی۔''(۹)

احمق الذہن اور طرح دار لونڈی ان کے اہم ناول ہیں۔بقول سہیل بخاری:

> ''جہاں تک ناول نگاری کے اصولوں کا تعلق ہے شرر اردو ادب کی تاریخ میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔وہ ایک طرح اردو ناول کے موجد ہیں۔وہ پہلے ناول نگار ہیں جنھوں نے انگریزی ناولوں کی تقلید میں اردو

میں ناول نگاری شروع کی۔ (۱۰)

ان کا تیسرا ناول 'ملک العزیز ورجینا' ہے جو ۱۸۸۶ء، چوتھا ناول 'حسن انجلینا' ۱۸۸۹ء [illegible]
میں، چھٹا ناول ''فردوس بریں'' ۱۸۹۸ء میں، ساتواں ناول فلورا فلورنڈا ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا۔

ان کا آٹھواں ناول ''ایام عرب'' دو جلدوں میں ۱۹۰۰ء میں شائع ہوا۔ اس میں [illegible] جاہلیت [illegible]
موضوع بنایا گیا ہے۔

انھوں نے اپنا نواں ناول '' مقدس نازنین'' ۱۹۰۰ء میں لکھا گیا۔ دسواں [illegible]
ہوا۔ گیارہواں ناول ''فتح اندلس'' شائع ہوکر ۱۹۰۴ء میں سامنے آیا۔ بارہواں ناول [illegible]
تیرہواں ں ناول '' شوقین ملکہ'' ۱۹۰۶ء میں شائع ہوا۔ یہ عمادالدین زنگی کے جنگی کارناموں سے متعلق ہے۔ [illegible]
دلہن'' ۱۹۰۸ء میں مکمل ہوا۔ ''ماہ ملک'' اور'' آغا صادق کی شادی'' ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئے۔

تیرہواں ناول ''فلپانا'' ۱۹۱۰ء میں لکھا۔ فلپانا میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی جنگ دکھائی گئی ہے۔ [illegible]
حضرت عثمان غنی کے دور سے تعلق رکھتی ہے۔ ۱۹۱۰ء میں ان کا ناول ''غیب دان دلہن'' شائع ہوا۔ ناول [illegible]
کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس ناول میں بادشاہوں کے دربار کے مناقشے اور شیعہ سنی منافرت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ فرقہ [illegible]
نے کس طرح مسلمانوں کو کمزور کیا اور دشمن نے اس کمزوری سے کیسے کیسے مفاد اٹھائے۔ وزیر علقمی شیعہ نظریات کی وجہ سے خلیفہ
المعتصم باللہ کو ناپسند کرتا ہے۔ ناول کی ہیروئن زبیدہ ہے جو یوسف نامی ایک شخص کو پسند کرتی ہے۔ آخر میں ہلاکو خان [illegible]
کی تباہی دکھائی گئی ہے۔ ۱۹۱۳ء میں شائع ہونے والے ناول رومتہ الکبریٰ میں قبل از اسلام رومی سلطنت کے احوال سے متعلق ہے۔
حسن کا ڈاکو دو حصوں میں ۱۹۱۳ء اور ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا۔ اسرار دربار حرام پور ۱۹۱۴ء میں چھپا۔ ''[illegible]'' کے نام سے ان کا ناول
۱۹۱۵ء میں شائع ہوا۔ جو کہ سسلی کے بادشاہ سے متعلق ہے۔ ''خوفناک محبت'' بھی ۱۹۱۵ء میں سامنے آیا۔ ''[illegible]'' [illegible]
اور عباسی دور کی مختلف تحریکوں سے متعلق ناول ''بابک خرمی'' دو حصوں میں ۱۹۱۷ء، ۱۹۱۸ء میں شائع ہوا۔ تین حصوں پر مشتمل
جویائے حق ۱۹۱۷ء، ۱۹۱۹ء، ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا۔ ''حسین'' ۱۹۱۹ء میں اور لعبت چین بھی ۱۹۱۹ء میں اور عزیزہ مصر ۱۹۲۰ء میں شائع
ہوا۔ ''اسیر بابل'' ۱۹۲۰ء میں سامنے آیا۔ ہندوستان کی تاریخ کے حوالے سے ان کا ناول ''طاہرہ'' ۱۹۲۳ء میں سامنے آیا۔ شاہجہان
کے عہد حکومت کے واقعات سے تعلق رکھنے والا ''مینا بازار'' کے عنوان سے ایک ناول ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا۔ [illegible] کے نام سے ان
کا ایک ناول ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا۔ 'شہزادہ جبش'، 'افسانہ قیس' اور 'زمین دار کی بیٹی' کے نام سے بھی ان کے ناول شائع ہوئے۔

حکیم محمد سراج الحق ''دلگداز'' کے نام سے رسالہ نکالتے تھے۔ وہ پرنٹر اور پبلشر بھی تھے۔ انھوں نے ناول کی صنف میں بھی طبع
آزمائی کی۔ مختلف موضوعات پر ان کے دو ناول ''فیروز شاہ'' اور ''ماہ طلعت'' سامنے آئے۔ ان کا نام اردو ناول نگاری میں زیادہ
لوگوں کو اپنی جانب متوجہ نہ کر سکا۔

اسی دور کے ایک اور ناول نگار موہن لال ہیں۔ ان کے ناولوں میں ہندوستان کی سیاست، تہذیب و ثقافت کو موضوع بنایا گیا
ہے۔ خاص طور پر انھوں نے شہنشاہ اکبر اعظم، جہانگیر اور سراج الدولہ کے واقعات کو ناول میں بیان کیا ہے۔

ریاض خیر آبادی کا نام شاعر کے طور پر جانا پہچانا ہے۔ مگر شاعری کے ساتھ ساتھ انھوں نے ناول بھی لکھے ہیں۔ ان کے
ناولوں میں حرم سرا، نظارہ، تصویر اور ناشاد قابل ذکر ہیں۔ ''ناشاد'' ان کا طبع زاد ناول ہے، باقی تینوں انگریزی ناولوں سے ماخوذ
ہیں۔ ناشاد کا قصہ شاہجہان کے دور سے تعلق رکھتا ہے۔ تاریخ کے ساتھ ساتھ شہزادہ محمد اور شہزادی مہر النسا کے عشق کا قصہ بھی ساتھ

ساتھ چلتا ہے جس کی وجہ سے کہانی میں رومانی اثرات پیدا ہوئے ہیں۔

مرزا عباس حسین ہوش نے ''ربط ضبط'' کے نام سے ناول لکھا ہے ان کے ایک اور ناول المیمون کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ناول ۱۹۰۴ء میں لکھا گیا۔ (۱۱)

ناول ''ربط ضبط'' میں انھوں نے انگریزوں کی ان باتوں کو بطور خاص موضوع بنایا ہے جو قابلِ تعریف ہیں۔ اس ناول کی کہانی میں انگریزوں کے انسان دوست رویوں کے بارے میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس ناول کا موضوع میں انیسویں صدی کے تاریخی واقعات پر مبنی ہے۔ ناول میں جدید اور قدیم حکمرانوں کے ربط وضبط کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس ناول کی کہانی کا عہد کا تعلق جنگ آزادی سے کچھ عرصہ قبل دہلی اور خاندان مغلیہ سے ہے۔ اس ناول میں ایک انگریز لڑکی 'روزی' پر ہندوستانی لڑکا 'جمال' عاشق ہو جاتا ہے اور ان کی شادی ہو جاتی ہے۔ اس ناول میں رومانی فضا پائی جاتی ہے۔

بے خود دہلوی ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا انتقال ۱۹۵۵ء میں ہوا۔ ان کا اصل نام وحید الدین احمد تھا۔ ان کے ناولوں میں ''ننگ و نام'' اور ''بدرالنساء کی مصیبت'' شامل ہیں۔ بقول ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ:

> ''ان ناولوں میں بے پردگی کے خلاف مہم چلائی گئی ہے۔ پلاٹ سادہ، کردار معمولی درجہ کے ہیں۔ متوسط طبقہ کی مراشرت بیان کی گئی ہے۔ مکالمہ نگاری پرتاثیر ہے۔'' (۱۲)

قاری سرفراز حسین عزمی (۱۸۶۷ء۔۱۹۳۷ء) عزمی نے مڈل عربک سکول دہلی سے کیا۔ علی گڑھ کالج میں ان کو ڈاکٹر آرنلڈ اور مولانا شبلی سے اساتذہ ملے۔ ان کے ناولوں میں سعید، شاہد رعنا (۱۸۹۷ء)، سعادت، سزائے عیش، بہارِ عیش، سزائے عیش، خارِ عیش شامل ہیں۔ ان کے ناولوں کا موضوع طوائف کے گرد گھومتا ہے۔ انھوں نے معاشرے میں طوائف کے حوالے سے موجود خرابیوں اور برائیوں کا ذکر کیا ہے۔

احمد حسین خان مرزا نے تیس سے زیادہ ناول لکھے۔ ان کے ناولوں میں معاشرتی، اصلاحی اور جاسوسی ناول شامل ہیں۔ آئینہ روزگار، فتنہ، جوانمردی، شامتِ اعمال، تخم بدی، شمع سحر، شمع شبستان، واہ، نظیر بیگم، وہ عورت جس نے کر دکھایا، جیسے ناول لکھے۔ انھوں نے کئی ناول انگریزی سے اردو میں ترجمہ بھی کیے۔ ان کے ناولوں میں کئی کردار دلچسپ ہیں۔ ''آئینہ روزگار'' کے صلابت کا کردار ایک نواب کا کردار ہے۔ جو ایک بڑھیا کی باتوں میں آجاتا ہے اور ایک غریب کے ساتھ شادی کر بیٹھتا ہے۔ بڑھیا کا کردار بھی دلچسپ ہے جس میں عیاری اور مکاری اور چالاکی جیسی صفات پائی جاتی ہیں۔ بڑھیا کیا ہے وہ آفت کی پرکالہ ہے۔ ان کا یہ کردار یاد رکھے جانے کے قابل ہے۔ ان کا انتقال ۱۹۵۷ء میں ہوا۔

راشد الخیری کا اصل نام محمد عبدالرشید تھا۔ ۱۹۳۲ء میں ۶۸ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ مولوی نذیر احمد، راشد الخیری کے حقیقی پھوپھا تھے۔ اپنے پھوپھا نذیر احمد اور ان کے معاصرین کو دیکھ کر ان کے دل میں قصہ نگاری کا شوق پیدا ہوا اور انھوں نے لکھنا شروع کر دیا۔ یوں ۱۸۹۶ء میں ناول 'صالحات' کے نام سے ایک ناول لکھا۔ یہ ناول ۱۸۹۸ء میں شائع ہوا۔ انھوں نے نذیر احمد کی پیروی میں اصلاحِ معاشرہ اور بالخصوص اصلاحِ نسواں کو اپنا مقصد بنایا۔ بقول سہیل بخاری:

> ''مولانا کی نمایاں خصوصیت عورتوں کی ہمدردی ہے۔ مولانا نذیر احمد نے صرف شریف گھرانوں کی معاشرت کے نقشے کھینچے ہیں اور عورتوں کی بول چال لکھی لیکن مولانا راشد الخیری نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور وہ صرف عورتوں کی مظلومیت کے ترجمان بن گئے۔'' (۱۳)

دوسرا ناول منازل السائرہ علی گڑھ سے ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۰۴ء میں لاہور سے شائع ہونے والے ''شاہین و دراج'' میں

انھوں نے ملکہ شاہین کا دراج سے معاشقہ بیان کیا ہے دراج جو کہ ایک دیہاتی ہے۔ دراج ملکہ شاہین کے عشق میں تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ دراج نے ملکہ کی زندگی کو بچایا تھا جس کی بنا پر اس دیہاتی کو ملکہ کا قرب حاصل ہوا۔ یہ ناول مخزن میں ۱۹۰۸ء میں قسط وار شائع ہوا۔ ''صبح زندگی'' دہلی سے، ''شام زندگی'' دہلی سے ۱۹۱۷ء میں، ''طوفان حیات'' لاہور سے، ''سنجوگ'' لاہور سے ۱۹۱۸ء میں شائع ہوا۔ لاہور سے ۱۹۱۸ء میں شائع ہونے والا ناول ''ماہ عجم'' امتیاز علی تاج کی فرمائش پر لکھا گیا تھا۔ اس ناول کے قصے میں ایران کا تاریخی منظر پیش کیا گیا ہے۔ ایران کی مسلمانوں کے ہاتھوں شکست اور شہزادی یزدگرد کی گرفتاری اور پھر حضرت امام حسینؓ سے اس کی شادی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس ناول میں کئی داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ لاہور سے ۱۹۱۸ء میں شائع ہونے والے ناول ''آفتاب دمشق'' کی کہانی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد کی معرکہ آرائیوں کو قصہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی عشق کی فرضی داستان بھی بیان کی گئی ہے تا کہ قصے میں چاشنی برقرار رہے۔ دہلی سے ۱۹۱۹ء میں شائع ہونے والا ناول ''محبوبہ خداوند'' میں راشد الخیری نے حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں طرابلس پر حملے کے حالات و واقعات اور مصر کی فتح کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس ناول میں ایک عیسائی لڑکی سفیریہ کی یوسف نامی ایک لڑکے سے عشق کی داستان بھی بیان کی گئی ہے۔ دہلی سے، ''جوہر قدامت'' ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا۔ ایک اور ناول جو ''عروسِ کربلا'' کے نام سے ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا جنگ جمل، جنگ صفین اور یزد کی تخت نشینی کے واقعات سے متعلق ہے۔ ایک لڑکی کلثوم ایک مسلمان عبید سے محبت کرتی ہے۔ یہ قصہ بھی تاریخ کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا ہے۔ دیگر ناول 'شب زندگی' دہلی سے ۱۹۱۹ء میں، 'نوحہ زندگی' دہلی سے ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں شائع ہونے والا ناول ''اندلس کی شہزادی'' پہلے تائید غیبی کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اس میں اندلس میں مسلمانوں کے اقتدار کے آخری مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ فرڈی نینڈ کے ہاتھوں مسلمانوں کی شکست کو بیان کیا گیا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں شائع ہونے والیناول ''درشہوار'' میں ۲۷ صفحات میں راشد الخیری نے ایران اور ماژندران کی لڑائی کو بیان کیا ہے۔ ماژندران کی ملکہ سبطورا کے طلبگار ایرانی شہزادے فیلوس اور ماشندرانی سپہ سالار بہرام کی کہانی بیان کی گئی ہے۔

راشد الخیری ۱۹۲۲ء میں شائع ہونے والے اپنے ناول ''یاسمین'' شام کے حوالے سے مسلمانوں کی فتوحات کو بیان کرتا ہے۔ اس ناول میں پرینس اور بلقیسیا کا معاشقہ بیان کیا گیا ہے۔ ''تیغ کمال'' ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا جو کہ ترکوں کے حالات زندگی اور اتاترک کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔ ''شہنشاہ کا فیصلہ'' دہلی سے ۱۹۲۹ء میں' شائع ہوا، اس میں خلافت عباسیہ کے خاتمے اور ہلاکو خان کے حملے کا ذکر کیا گیا ہے اس ناول کا ایک کردار ابو نواس ملکہ غررانہ پر عاشق ہے۔ اور ایک منفی ذہنیت کا حامل ہے۔ 'بزمِ آخر' دہلی سے ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئے۔ ''سیدہ کا لال'' میں راشد الخیری نے حضرت محمدؐ کی زندگی کے حالات اور خلافت راشدہ کے چیدہ چیدہ واقعات کو موضوع بنایا ہے۔ ''وداعِ ظفر'' میں مغلیہ حکومت کے آخری چشم و چراغ بہادر شاہ ظفر اور اس کی سلطنت کے زوال کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس میں نہ کہانی ہے اور نہ پلاٹ۔ یہ ایک تاریخی بیانیہ کہا جا سکتا ہے اسی قسم کی دو اور کتابیں آمنہ کا لال اور الزہرا کے عنوان سے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ناولٹ بھی لکھے ہیں۔

راشد الخیری کے ناولوں میں مردوں کی نسبت عورتوں کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ وہ بطور خاص عورتوں کے کرداروں کو سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ناولوں کی کہانیاں زیادہ تر تاریخی واقعات سے چنی ہیں۔

صادق حسین صدیقی سردھنوی ۶ دسمبر ۱۹۷۹ء میں سردھنہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مسلمانوں کو اپنے اسلاف کی یاد دلانے کے لیے ناول لکھنے کا عزم کیا۔ اس سے ان کا مقصد قوم میں جذبے کو بیدار کرنا تھا۔ ان کا ایک ناول ''آفتاب عالم'' ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا، انھوں نے اسّی کے قریب ناول لکھے جن میں محبوبہ حلب، آستانہ حور، رومی شہزادی، سعید و فلپانہ، فتح یرموک، جنگ

صلیب وہلال، فتح انطاکیہ، کابل کی دوشیزہ، معشوقۂ ہند، مشرق کی حور، بہادر حور، فتح کافرستان، جنگ بدر، مغل اعظم، عروس بغداد، ماہ طلعت، صلیبی جہاد، شیر شاہ سوری، خالد بن ولید، ترکوں کی تلوار، بغداد کی تباہی، جانباز ترک، سلطان محمد غوری، شہزادی اندلس، شوقین ملکہ، شہزادہ جمشید، شکست تاتار، مجاہد پاکباز، حور مراکش، شاہ جلال غازی، عرب کا چاند، آرمینیہ کا چاند، ایران کی حسینہ شامل ہیں۔ یہ تمام ناول ۱۹۳۴ء تک شائع ہوئے، ان کے ناول زیادہ تر رومانوی تھے۔

دیگر ان کے ناولوں میں افریقہ کی دلہن، اندلس کے دو چاند، بہادر کرد، پہلی صلیبی جنگ، جنگ جرمن، جنگ فلسطین، حور ایران، حور مراکش، ساعقہ، سراج الدولہ، سلطان ٹیپو شہید، شیر اندلس، شہزادہ خضر خاں، شیر دکن، عجمی شہزادہ، عجیب جنگ، غیاث الدین بلبن، غدار، عربی دوشیزہ، فتح العجم، فتح ایران، فتوح الشام، فتح کابل، فتح یرموک، فتح شوستر، مشرق کے چاند، معرکۂ صلیب، ہاشمی دوشیزہ شامل ہیں۔ صادق حسین صدیقی کا ناول ''معرکۂ روم و یونان'' تاریخی ناول ہے۔

طالب بنارسی عرف لکھنوی کے کئی ناول شائع ہوئے۔ ان کے ناولوں میں اسلامی شمشیر عرف مجاہد، ایران کا چاند، مقدس حور عرف فاتح ایران، ایران کی دوشیزہ اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ چاروں ناول ایران کی سرزمین سے متعلق ہیں۔ مقدس حور عرف فاتح ایران میں ایک اصفہان کے بادشاہ وامق کی بیٹی رضیہ کی کہانی پیش کی گئی ہے۔ باپ آتش پرست ہے مگر بیٹی اسلامی کتابوں کا مطالعہ کر کے مسلمان ہو جاتی ہے۔ مگر وہ مسلمان ہونے کے باوجود ایسی حرکتیں کرتی ہے جو کہ کسی پاکیزہ عورت کو زیبا نہیں دیتیں۔ اس ناول میں مصنف نے بے جا عشقیہ جملوں اور مناظر سے کام لیا ہے۔ جا بجا بوس و کنار اور رضیہ کے حصول کے لیے رسہ کشی دکھائی گئی ہے۔

محمدی بیگم ۲۲ مئی ۱۸۷۷ء کو شاہ پور میں سید خاندان میں فرد احمد شفیع کے یہاں پیدا ہوئیں۔ وہ معروف ڈراما نگار اور ادیب امتیاز علی تاج کی والدہ تھیں۔ ۱۹۰۸ء میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ محمدی بیگم کے ناول ''صفیہ بیگم''، ''شریف بیٹی'' اور ''آج کل'' کے ناموں سے شائع ہوئے۔ ان کے یہ ناول بعد میں دارالاشاعت پنجاب، لاہور سے شائع ہوئے۔ محمدی بیگم کا ناول ''شریف بیٹی'' جنوری ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔ اس کا کردار عبدالغنی متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے اہم کرداروں میں نائن بی، شریفن، محمود، نواب صاحب اور ان کی بیگم شامل ہیں۔ ان کے ناول ''صفیہ بیگم'' میں کہانی دلچسپی کا عنصر رکھتی ہے۔ اس کے کرداروں میں میر اصغر حسین، اور ان کی بیگم، اکبر حسین اور ان کی بیوی شامل ہیں۔ اس میں کئی کردار اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ ''آج کل'' ایک مختصر ناول ہے مگر پھر بھی دلچسپ کہانی پہ مشتمل ہے۔ اس کی کہانی میاں بیوی کے معمولات اور معاملات کے گرد گھومتی ہے۔

بیسویں صدی کے اردو ناول نگاروں میں منشی پریم چند (۳۱ رجولائی ۱۸۸۰ء۔ اٹھارہ اکتوبر ۱۹۳۶ء) کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ پریم چند کا اصل نام دھنپت رائے تھا۔ پریم چند کی والدہ آنندی بیگم کے انتقال کے بعد ان کے والد نے دوسری شادی کر لی۔ سوتیلے بھائی کی وجہ سے پریم چند محرومی کا شکار ہو گئے۔ پریم چند نے ایک مدرسے سے عربی فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ پریم چند کی شادی پندرہ سال کی عمر میں ہو گئی جب کہ وہ نویں جماعت میں تھے، پریم چند کی اپنی بیوی سے تعلق کبھی خوشگوار نہ رہا۔ کبھی نہ بنی۔ انھوں نے ۱۹۰۵ء میں شیوانی دیوی سے دوسری شادی کر لی۔

منشی پریم چند کے ناولوں میں ''اسرارِ معبد'' پہلا ناول (۱۹۰۳ء سے ۱۹۰۵) تک ''آوازِ خلق'' میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ ہم خرما و ہم ثواب (۱۹۰۶ء)، کشنا (۱۹۰۷ء)، جلوہ ایثار (۱۹۱۲ء)، بازارِ حسن (۱۹۱۸ء)، گوشہ عافیت (۱۹۲۹ء)، چوگان ہستی (۱۹۲۷ء)، نرملا (۱۹۲۹ء)، پردہ مجاز (۱۹۳۱ء)، غبن، میدان عمل (۱۹۳۲ء)، بیوہ، گئودان (۱۹۳۶ء)، آسمان کی پری، وفا کی

دیوی (۱۹۳۰ء)، روز نخ عشق کا روگ، چوگان ہستی [illegible]

''پریم چند کی ناول نگاری ایک عہد کی حیثیت رکھتی ہے۔۔۔ ہندوستان [illegible] ان کے ناولوں میں منعکس ہوتی رہی ہے۔ ہندوستان کے [illegible] کے لیے پریم چند کے ناولوں کا مطالعہ ناگزیر ہے۔'' (۱۴)

گوشۂ عافیت اور گئودان میں پریم چند نے براہ راست جاگیرداری نظام کی خرابیوں [illegible] نقاب کیا ہے۔

''گئودان'' کا مرکزی کردار گیان شنکر ہے جو خود استحصال کرنے والے طبقے کا نمائندہ ہے۔ گئودان [illegible] ہے جس میں انھوں نے مرکزی کردار ایک غریب جاہل مفلوک الحال اور جاگیرداری نظام کے ظلم و ستم کا شکار [illegible] ہے۔ کسان خود غلے سے محروم رہتا ہے۔ رائے بہادر زمیندار ہے جو کسانوں کا استحصال کرتا ہے۔ [illegible] طبقے کا نمائندہ ہے اور مذہب کا اجارہ دار۔ اونکار ناتھ صحافیوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس ناول میں مہتا، مرزا خورشید [illegible] طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ گوبر، دھنیا کسان طبقے کے نمائندہ کردار ہیں۔ اس ناول کو چھتیس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ [illegible] کے کسان ہیں۔ دھرتی کو ماں کی طرح سمجھنے والے۔ رائے امر پال سنگھ جاگیردار ہے۔ [illegible] کی زمین پر قبضہ کرنے کے انتظار میں ہے۔ اس ناول میں پہلی بار پریم چند مثالیت پسندی کے بجائے حقیقت پسندی [illegible] دکھائی دیتے ہیں۔ ہوری زمین بچانے کے لیے روپا کو ۲۰۰ روپے میں بیچ دیتا ہے۔ ذلت برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے مر جاتا ہے۔

پریم چند نے ''بازار حسن'' کے نام سے جو ناول لکھا ہے اس کا اہم کردار سمن کا ہے جو ایک جاندار کردار ہے۔ [illegible] تنگدست اور کمینے شخص گجادھر سے کر دی جاتی ہے، وہ سمن کو ایک دن گھر سے نکال دیتا ہے۔ سمن کے جانے کے بعد وہ [illegible] پریشان ہوتا ہے اور یوگ میں پناہ لیتا ہے مندر کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑتا ہے اور غریبوں کی مدد شروع کر دیتا ہے۔ (۱۵)

سمن حالات سے تنگ آ کر کوٹھے پر چلی جاتی ہے جہاں اس کا مقصد صرف ناچ گانا [illegible] کے جسم کے خریدار نظر آتے ہیں وہاں سے وہ ایک مصلح کے ہاتھوں بچ کر نکل آتی ہے۔ اس ناول میں [illegible] کے خلاف احتجاج ملتا ہے۔ پریم چند کا ناول ''نرملا'' بھی ایک ایسی عورت کی کہانی پر مبنی ہے جو خوبصورت ہے مگر [illegible] ایک ایسے آدمی کے ساتھ بیاہ دیا جاتا ہے جو کہ امیر ہے اور سسرال کی پرورش کر سکتا ہے لیکن بہت ہی شکی مزاج، ذرا ذرا سی بات پر نرملا کو [illegible] سے بھی باز نہیں آتا۔ نرملا کی جان اس ظالم سے مر کر ہی چھوٹتی ہے۔

چوگان ہستی میں ونے، سورداس اور صوفیہ کے کردار ہیں۔ ونے ترقی پسند کردار ہے۔ صوفیہ مذہب کو خانوں میں بانٹنے کے خلاف ہے۔ ایک جاندار کردار اندھے شخص سورداس کا ہے جو بینائی اور بصیرت میں دوسروں سے سبقت رکھتا ہے۔ جب [illegible] زمین بوس کرنے کا حکم دیتا ہے تو سب خاموش تماشائی بن جاتے ہیں مگر ایسے میں سورداس جھونپڑے کے [illegible] کے سامنے روحانی طاقت اور پرسکون جلال کی تصویر بنا راجہ کے سامنے ڈٹ جاتا ہے۔ (۱۶)

''میدان عمل'' میں امر کانت کا کردار انقلابی ہے۔ وہ مذہب کے بارے میں ایک صحت مند نظریہ رکھتا ہے۔ وہ خدمت اور سچائی کو اصل مذہب قرار دیتا ہے۔ امر کانت ناول میں کہتا ہے:

''سارے مذہبوں کی حقیقتیں ایک ہیں۔ حضرت محمد کو خدا کا رسول ماننے میں مجھے کوئی عار نہیں۔ حسن خدمت، ایثار، رحم اور تہذیب نفس پر ہندو مذہب کی بنیاد قائم ہے۔ اسلام مجھے بدھ، کرشن اور رام کا احترام

کرنے سے نہیں روکتا۔"(۱۷)

امرکانت اپنی زندگی سے تنگ اور غیر مطمئن نظر آتا ہے۔اسے اپنے باپ سمرکانت کے ہتھکنڈے اور سودخوری کی عادت پسند نہیں،وہ اپنی بیوی سکھدا سے بھی ناخوش ہے جو کہ فیشن پرست عورت ہے۔وہ ایک مسلمان لڑکی سکینہ کے عشق میں گرفتار دکھایا جاتا ہے،کبھی کسان لیڈر کے روپ میں۔پھر وہ اسی لیڈری کے چکر میں گرفتار ہو جاتا ہے۔اس کے جانے کے بعد اس کا باپ اور اس کی بیوی امرکانت کے ساتھ اپنے رویے پر نادم نظر آتے ہیں۔امرکانت کی بہن نینا کو اس کا سرمایہ دار شوہر گولی مار دیتا ہے میدان عمل میں ہر وقت کوئی نہ کوئی عمل رونما ہوتا دکھایا گیا ہے۔کہیں ہڑتال ہے تو کہیں میونسپل کمشنریوں کی کارستانیاں اور کہیں غریبوں کی بے کسیاں اور کسانوں کی مجبوریاں۔اس میں مختلف طریقوں سے لوگوں کے مختلف رویوں کو سامنے لایا گیا ہے۔

صوفی شرف الدین احمد وارثی (۱۸۸۰ء۔۱۹۶۲ء) کا ناول "بولتا مدعا" کے نام سے انیسویں صدی میں شائع ہوا۔

ظفر عمر (۱۸۸۳ء۔۱۹۴۹ء) نے ترجموں سے لکھنے کا آغاز کیا۔ان کا ناول "نیلی چھتری" جو کہ فرانسیسی ناول سے متاثر ہو کر لکھا گیا۔یہ ناول بہت مشہور ہوا۔اس ناول کی کمائی سے انھوں نے علی گڑھ میں نیلی چھتری کے نام سے ایک خوبصورت کوٹھی بھی بنائی۔جس سے اس ناول کی شہرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ظفر عمر نے اُردو کے جاسوسی ناول نگاری کی بنیاد ڈالی۔ان کے ناولوں میں معاشرت اور تہذیب کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔وہ مختلف زبانوں سے ناول کے پلاٹ لیتے اور انھیں ہندوستانی رنگ میں تخلیق کرتے اور کردار نگاری،منظر نگاری میں کمال رکھتے تھے۔'نیلی چھتری' کے علاوہ ان کا ناول 'بہرام کی گرفتاری' بھی ایک فرانسیسی ناول سے ماخوذ ہے۔چوروں کا کلب،لال گھوڑا جیسے ناول لکھے۔

باسدیو پرشاد کا ناول "التمش" ۱۹۲۵ء میں دوسری بار منشی نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔اس میں ایک جنگ کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔اس ناول میں التمش ایک فرضی کردار کے طور پر نظر آتا ہے ضمناً ہارون رشید کا نام بھی آتا ہے۔

۱۹۲۵ء میں منشی موہن لال کا ناول 'انقلاب قسطنطنیہ' شائع ہوا۔اس کے علاوہ 'سیلاب خون' اور 'محاصرۂ پیرس' بھی لکھے۔

علامہ عبداللطیف بہرام پوری کا ناول طارق بن زیاد یعنی فاتح اندلس ۱۹۳۹ء میں شیخ غلام علی اینڈ سنز نے شائع کیا۔اس میں اندلس کے قدیم حکمران خاندان 'گاتی' کی کہانی بیان کی گئی ہے۔اس کا پلاٹ کمزور ہے۔

سید احسان علی شاہ بی اے کا ناول "زرتشتِ اعظم کا رومان" ۱۹۴۱ء میں عالمگیر بک ڈپو لاہور سے شائع ہوا۔اس میں پانچ ہزار قبل مسیح کا ایک قصہ بیان کیا گیا ہے،ترجمہ شدہ لگتا ہے مگر اس کی وضاحت کہیں نہیں کی گئی۔

وزیر حسن عثمانیہ کا ناول "چاند بی بی سلطان۔۔ایک بیٹی" کے عنوان سے ۱۹۴۵ء میں سامنے آیا۔اس میں دکن کے حوالے سے واقعات بیان کیے گئے ہیں اور ناول کم وعظ زیادہ ہے۔سلمان عارف نے "آبروئے ملت" کے نام سے ایک ناول لکھا جس میں مصر کے سیاسی حالات،سلطان صلاح الدین ایوبی کی حکومت اور ان کی فتوحات کا ذکر ہے۔

مرزا محمد سعید اُردو ناول نگاری میں معروف ہیں۔وہ دہلی میں ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے پھر لاہور چلے آئے اور گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی۔انھوں نے انگریزی ادب میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔اس کے بعد وہ ایم اے او کالج لاہور میں ۱۹۰۶ء میں لیکچرار ہو گئے۔۱۹۰۵ء میں مرزا محمد سعید نے اپنا پہلا ناول "خواب ہستی" لکھ کر ناول نگاری کا آغاز کیا۔۱۹۰۸ء میں ایک اور ناول "یاسمین" کے نام سے لکھا۔

مرزا محمد سعید دہلوی کا ناول خواب ہستی ایک مذہبی،اصلاحی،اخلاقی،رومانی اور تصوراتی ناول ہے،اس کی وجہ اس کا عہد تخلیق ہے۔(۱۸)

ان کا ناول ''خواب ہستی'' اصلاحی نقطۂ نظر کے پیش نظر لکھا گیا ہے جو کہ ایک تعلیم یافتہ جوان عثمان کی کہانی پر مبنی ہے جو کہ ایک طوائف حسن افروز پر فدا ہو جاتا ہے۔ اسی دوران ایک اور کردار شمیم کہانی میں آ جاتا ہے عثمان حسن افروز سے توجہ ہٹا کر اس کی جانب مائل ہو جاتا ہے مگر جب وہ چھوڑ جاتی ہے تو دوبارہ وہ حسن افروز سے شادی کر لیتا ہے، پھر ناول حسن افروز کی موت سے ایک نیا موڑ لیتا ہے۔ وہ اپنے عیسائی دوست اور فلسفی اینڈرین کے فلسفہ کی مدد سے ذہنی سکون حاصل کرتا ہے اور خدا سے قلبی تعلق کو استوار کرتا ہے۔

ان کے دوسرے ناول ''یاسمین'' کی کہانی میں اختر ان کے ناول کا ہیرو ہے جو والدین کی طرف سے کی گئی شادی سے مطمئن نہیں اور وہ اپنی بیوی صفیہ کے ہوتے ہوئے ایک اور لڑکی یاسمین سے عشق کرتا ہے، وہ کچھ عرصہ بعد اسے دغا دے جاتی ہے، وہ دوبارہ اپنی بیوی کی طرف لوٹ آتا ہے۔ یہ ناول فلسفیانہ طور پر اس سوچ کی نمائندگی کرتا ہے کہ انسان کو زندگی عارضی اور امانت کے طور پر دی گئی ہے۔ اور مرنے کے بعد اس کی روح ستاروں کا یا روحِ کائنات کا حصہ بن جاتی ہے۔

فیاض علی نے دو ناول تحریر کیے جن کے نام ''شمیم'' اور ''انور'' تھے۔ وہ ایک رومانی ناول نگار تھے۔ ان ناولوں میں بھی ان کا رومانی انداز سامنے آتا ہے۔ ان ناولوں میں کوئی خاص بات نہیں، کہیں کہیں ظرافت اور مزاح سے بھی کام لیا گیا ہے۔ کہیں ان میں جاسوسی ناول کی قسم کے اثرات بھی ملتے ہیں۔ ان ناولوں میں تخیلاتی فضا پائی جاتی ہے۔ حقیقت نگاری سے کام نہیں لیا گیا۔ ان کے ناولوں میں رقیبوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ ان کے ناول کافی ضخیم ہیں مگر ضخامت کے باوجود یہ ناول زیادہ سنجیدہ مسائل پر مبنی نہیں ہیں۔ ان کے ناولوں میں زیادہ تر تخیل آفرینی سے کام لیا گیا ہے۔

مرزا رسوا کے شاگرد محمد مہدی تسکین نے بھی تین ناول لکھے ہیں ان ناولوں میں 'برف کی دیوی'، 'مستانہ عشق' اور 'حسن پرست' شامل ہیں۔ ان کے ناولوں میں فطری جذبات نگاری اور حسن پرستی کے جذبات سے کام لیا گیا ہے۔ انھوں نے ان ناولوں میں رسمی محبت سے گریز کیا ہے۔ ان کی کردار نگاری کے حوالے سے سہیل بخاری لکھتے ہیں:

> ''کردار کی تخلیق کے وقت اپنی اس کوشش کا بخوبی شعور رکھتے تھے جس کا اظہار انھوں نے حسن پرست کے دیباچے میں بھی کیا ہے۔''(۱۹)

کرداروں میں ماشاءاللہ کا کردار اہم ہے جس سے ناول میں دلچسپی کا عنصر پیدا ہوا ہے۔

پنڈت کشن پرشاد کول نے دو ناول ''شاما'' اور ''سادھو اور بیوا'' لکھے ہیں۔ یہ ایک اصلاحی ناول ہے جس میں گھریلو کہانی بیان کی گئی ہے جس میں ساس بہو کے جھگڑے اور ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری شادی کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ اس کا مرکزی کردار شاما ایک ایسا کردار ہے جس کا نصیب ناکامی اور اداسی ہے۔ یہ ناول ہندوؤں کے متوسط طبقے کی معاشرت کی عکاسی کرتا ہے۔ اس ناول میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مردوں کو جہاں طلاق کا حق حاصل ہے وہاں عورتوں کو بھی یہ حق حاصل ہونا چاہئے۔ ورنہ ان کا استحصال ہوتا ہے۔ اور وہ ساری عمر گھٹ گھٹ کر زندگی گزارتی ہیں۔

آغا شاعر دہلوی شاعری کے ساتھ ساتھ ڈرامہ نگاری اور ناول نگاری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کے ناول ہیرے کی کنی، ارمان اور نقلی تاجدار اہمیت کے حامل ہیں۔ اور ایک ناولٹ ''ناہید'' بھی لکھا ہے۔ ''ارمان'' اور ''ہیرے کی کنی'' دونوں رومانی ناول ہیں۔ ان کے مکالمے دلچسپ ہیں۔ وہ دہلی زبان اور ٹکسالی زبان سے واقفیت رکھتے تھے۔ ان ناولوں میں بھی ان کی زباندانی نظر آتی ہے۔ آغا شاعر دہلوی کا محاورہ، روزمرہ اور شستہ زبان ناول میں رواں دواں ہے۔ ارمان میں خاندانی المناکیوں کو پیش کیا گیا ہے۔ اور گھریلو جھگڑے اور نزاع دکھایا گیا ہے جبکہ ہیرے کی کنی میں ناول نگار نے اعلیٰ طبقے کا عشق اور گھریلو سازشیں بیان کی

ہیں۔ سلطانہ بیگم جو کہ عشق کا جذبہ رکھتی ہیں اس ناول کی اہم کردار ہے۔ اس میں منظر نگاری بھی خوب کی گئی ہے۔
''ہیرے کی کنی'' میں مکالمے دلچسپ اور برجستہ ہیں۔ ارمان میں انھوں نے خاندانی لڑائی جھگڑے اور خاندان میں بھائیوں کے اولاد کی ایک دوسرے سے محبت کو دکھایا گیا ہے۔ مگر بھائیوں کی لڑائی اس محبت کے آگے دیوار بن جاتی ہے۔

ارشد تھانوی (۱۸۸۷ء۔۱۹۶۸ء) تھانہ بھون ضلع مظفر نگر (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی میں آ گئے۔ ان کا اصل نام رشید احمد تھا۔ وہ شوکت تھانوی کے کزن تھے۔ اردو شاعری سے ادبی زندگی کا آغاز کیا۔ انھوں نے اختر بیگم اور اجتماع ضدین کے نام سے دو ناول تحریر کیے۔

نیاز فتح پوری ۱۸۸۷ء میں فتح پور (یوپی) میں پیدا ہوئے مدرسہ اسلامیہ فتح پوری سے عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ان کے ناولوں میں 'شہاب کی سرگزشت' اور 'ایک شاعر کا انجام' قابل ذکر ہیں۔ وہ اپنے ہر ناول میں اپنا فلسفہ لے آتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں وصل کے بجائے ہجر و فراق کو اہمیت دی۔ ان کے ناولوں کی زبان میں بانکپن اور شوخی پائی جاتی ہے۔

قاضی عبدالغفار (۱۸۸۸ء۔۱۹۵۶ء) مراد میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے تعلیم علی گڑھ میں حاصل کی۔ کچھ عرصہ سرکاری ملازمت کرتے رہے۔ اس کے بعد مولانا محمد علی جوہر کے اخبار ہمدرد سے منسلک ہو گئے۔ ان کے ناولوں میں لیلیٰ کے خطوط (۱۹۳۲ء)، نقش فرنگ (۱۹۲۴ء)، تین پیسے کی چھوکری (۱۹۳۴ء)، اس نے کہا (۱۹۳۵ء)، سیب کا درخت، عجیب شامل ہیں۔ قاضی عبدالغفار نے اردو میں پہلی مرتبہ مکتوباتی ناول کی بنیاد رکھی اور ''لیلیٰ کے خطوط'' جیسا ناول خطوط کی شکل میں لکھا ہے۔ ناول نگاری میں یہ طرز سب سے پہلے قاضی عبدالغفار نے روشناس کرائی۔ قاضی عبدالغفار نے اپنے ناولوں میں رومانوی فضا کو پیش کیا اور اس کے ساتھ ساتھ سماجی اور اخلاقی حوالے سے لکھا۔ یہ ناول نام نہاد مصلحین قوم اور مذہبی رہنماؤں کے رویوں سے پردہ اٹھاتا ہے۔

قاضی عبدالغفار ترقی پسند ناول نگار کی حیثیت سے سامنے آئے۔ ان کا ناول ''روزنامچہ یا مجنوں کی ڈائری'' محض روزنامچہ لکھنے کی غرض سے لکھا گیا۔ ناول نگاری کے حوالے سے یہ دونوں انداز تحریر اردو میں سب سے پہلے قاضی عبدالغفار نے روشناس کرائے۔

ان کا ناول ''مجنوں کی ڈائری'' ڈائری کی طرز میں لکھا گیا ناول ہے۔ یہاں بھی انھوں نے انفرادیت اور نئی جہت سے کام لیا ہے۔ اس ناول کا موضوع وسیع ہے۔ اور اس میں انھوں نے اپنے خیالات کا آزادانہ اظہار کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد عظیم اللہ لکھتے ہیں:

> ''قاضی عبدالغفار کے دونوں ناول ادبی اہمیت و عظمت کے حامل ہیں، اس لیے کہ دونوں کارنامے یکساں اجتماعی مقاصد کو پورا کرتے ہیں۔ کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دینا چاہیے، جیسا کہ بعض ناقدین ترجیح دیتے ہیں۔ دونوں کے موضوعات مختلف ہیں، لیکن مقاصد یکساں ہیں۔'' (۲۰)

'مجنوں کی ڈائری' میں قاضی صاحب نے اس دور کے نوجوان کے خیالات کی عکاسی کی ہے۔ ان ناولوں میں پُر جوش خطابت، رومانویت، تخیل آفرینی اور جذبات کی شدت پائی جاتی ہے۔

''لیلیٰ کے خطوط'' ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔ یہ ناول باون خطوط پر مشتمل ہے جو کہ ایک بیوہ لیلیٰ نے اپنے عاشق کو لکھے ہیں۔ یہ ناول سماج سے ایک کھلی بغاوت کی تصویر نظر آتا ہے جس میں لیلیٰ بغیر شادی کے جسمانی تعلق رکھنا چاہتی ہے اور جب اسے عقد کی پیش کش کی جاتی ہے تو وہ بھاگ کھڑی ہوتی ہے۔ یہ بغاوت ایک بیوہ کی طرف سے ہے جسے دنیا کی رسموں نے بغاوت پر مجبور کیا۔ ان خطوط میں عورت کو درپیش مسائل اور مظالم کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں مرد کی ہوسناکیوں کا بھی بیان ہے کہ:

کس طرح عورت کو چالاکی سے فریب دیتا ہے۔اس ناول میں ہندوستان کی معاشرت میں عورت کے مقام پر بحث کی گئی ہے۔مصنف لکھتے ہیں:

لیلیٰ کی زندگی کا فلسفہ اس قدر نفرت انگیز نہیں جس قدر درد انگیز ہے وہ ہنس ہنس کر اپنے ان زخموں سے کھیلتی ہے جو اس کے وجود معنوی پر ناسور بن کر رہ گئے ہیں۔اپنی مختصر داستان میں وہ اپنی لاکھوں بدنصیب بہنوں کی روئیداد اور زندگی بیان کرتی ہے جو اس ملک میں مردوں کی نفس پرستی پر قربان کی جاتی ہیں۔لیلیٰ کی زندگی کا ہر نقش فریادی ہے۔''(۲۱)

اس میں لیلیٰ کی ابتدائی زندگی اس کی محبت کے حوالے سے ناآسودگی اور پھر ایک ایسے شخص سے ملاقات جس نے اس کی زندگی کا دھارا بدل دیا اور وہ عشق میں ناکامی کے بعد جنسی بے راہ روی کا شکار ہو کر مختلف مردوں کے ساتھ وقت گزارتی ہے۔ان کے مزاج اور خیالات کو پیش کرتی ہے۔

آخر میں ایک مثبت انجام کی طرف کہانی بڑھتی ہے اور لیلیٰ کے اندر سوئی ہوئی عورت جاگ جاتی ہے اس کا مزاج بالکل تبدیل ہو جاتا ہے۔

''میں سوتے سوتے ابھی تو جاگی ہوں۔وہ عورت جو میرے اندر ۲۵ برس تک سوتی رہی اب آنکھیں مل کر پہلی انگڑائی لے رہی ہے۔''(۲۲)

اس میں لیلیٰ کا کردار ایک علامت ہے اس طبقے کی جسے معاشرے کے مختلف کرداروں نے گھٹن اور جبر میں رکھا ہے۔جو اخلاقی اور سماجی قدروں کو پامال کرتا ہے۔یہ ناول جسمانی تعلقات سے عقد کی طرف سفر کرتا ہے اور اس میں کئی موڑ آتے ہیں۔لیلیٰ اسے چھوڑ کر چلی جاتی ہے وہ اسے تلاش کرتے کرتے اس تک پہنچ جاتا ہے اور بیمار ہو جاتا ہے لیلیٰ اس کی تیمارداری کرتی ہے جس کے بعد آخر کار دونوں شادی کے بندھن میں بندھ جاتے ہیں۔اس ناول میں قاضی صاحب نے داخلی حقیقت نگاری سے کام لیا ہے۔

سلطان حیدر جوش (۱۸۸۸ء۔۱۹۵۳ء) کے ناولوں میں ابن مسلم، نواب فرید، ہوائی، نقش و نقاش شامل ہیں۔نواب فرید میں برصغیر کی تاریخی اور معاشرتی حوالے سے کہانی پیش کی گئی ہے۔اس کے علاوہ نوابوں کا طرز عمل اور انگریز دور میں ریاستوں کی صورتحال پر بھی بات کی گئی ہے۔ان کا ناول 'ابن مسلم' حجاج بن یوسف کے دور سے تعلق رکھتا ہے۔جس میں بنی امیہ کے دور کے حالات رقم کیے گئے ہیں۔حجاج کے ظلم و ستم کے قصے بھی اس ناول میں بیان کیے گئے ہیں۔ناول کا ہیرو قتیبہ بن مسلم کا چھوٹا بھائی عبدالرحمٰن بن مسلم ہے۔اس ناول میں عشق کی مثلث شیریں، عبدالرحمٰن بن مسلم اور اس کے رقیب نمورک کے درمیان بنتی ہے۔ناول کا انجام عبدالرحمٰن بن مسلم اور شیریں کی شادی پر ہوتا ہے۔

نذر سجاد حیدر کا نام نذر زہرا تھا۔ان کے والد کا نام میر نذر الباقر تھا۔ان کی عمر اگست ۱۹۱۱ء میں جب صرف سترہ سال تھی تو انھوں نے اپنا پہلا ناول ''اختر النساء'' کے نام سے شائع کرایا، اس پر مصنفہ کا نام بنتِ نذر الباقر دیا گیا تھا۔یہ ناول لاہور سے نول کشور پریس نے شائع کیا تھا۔اس کے ناشر دار الاشاعت پنجاب کے مالک مولوی سید ممتاز علی تھے۔(۲۳) نذر زہرا، سجاد حیدر یلدرم سے شادی کے بعد نذر سجاد حیدر بن گئیں۔انھوں نے ناول لکھنے کا سلسلہ جاری رکھا۔آہ مظلوماں ستمبر ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا۔ حرماں نصیب ۱۹۲۰ء میں، جاں باز ۱۹۳۵ء میں، نجمہ ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئے۔ایک اور ناول 'مذہب اور عشق' کے نام سے شائع ہوا۔ انھوں نے اپنے دور کے ہندوستان کے گھٹے ہوئے ماحول کی عکاسی کی ہے۔وہ عورتوں کے آزادی کے حق میں لکھتی ہیں مگر بے جا

آزادی کے مخالف: ''اگر لڑکیوں کو آزادی دی جائے تو یہی نتیجے ہوں گے۔ نجمہ نے اپنی زندگی حد سے زیادہ آزادی کی ہوس میں اپنے ہاتھوں برباد کر ڈالی۔ اس زمانے میں لڑکیوں کی مغربی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم بے حد ضروری ہے''(۲۴)

ان ناولوں میں عورتوں کے پردہ کرنے اور انھیں معاشرے میں مختلف پابندیوں کا سامنا کرنے جیسے مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

عظیم بیگ چغتائی (۱۸۹۵ء۔۱۹۴۱ء) نے علی گڑھ یونیورسٹی سے وکالت کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے سیشن جج کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ وہ افسانہ نگاری کے بعد ناول نگاری کی طرف متوجہ ہوئے تو بے شمار اخلاقی و سماجی بندشوں کو طنز کا نشانہ بنایا۔ انھوں نے ناول نگاری میں مزاح نگاری کا راستہ اختیار کیا۔

مرزا عظیم بیگ کے معروف ناولوں میں 'مسز کڑھائے' ۱۹۳۳ء، کھرپا بہادر، ۱۹۳۹ء، شریر بیوی، جنت کا پھول، کولتار، چمکی، شریف بیوی، تفویض، کمزوری، شہزوری، قسمت کی ستم ظریفی، چینی انگوٹھی، لوٹے کا راز، خانم، سوالہ کی روحیں، پھریری، رقص سرور، کالے لوگ، مرزا جنگی، فل بوٹ، اور ایک ناولٹ ویمپائر بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے کئی افسانے بھی تحریر کیے وہ زود نویس تھے۔ وہ لکھتے وقت سماجی حالات اور مسائل کو سامنے رکھتے تھے اور سماجی تصویر کو اس انداز میں الٹی کر کے پیش کرتے کہ بے اختیار ہنسی آجاتی۔ مزاح نگاری میں ان کا اپنا اسلوب تھا۔

عظیم بیگ چغتائی اپنے ناولوں میں واقعات کو ایسے بیان کرتے ہیں کہ واقعات صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس سے پڑھنے کو جہاں لطف حاصل ہوتا ہے وہاں وہ بہت دیر تک اسی کیفیت میں مبتلا رہتا ہے۔ ان کا اسلوب دلچسپ اور فطری ہے۔

''شریر بیوی'' مرزا عظیم بیگ کا بڑا دلچسپ ناول ہے۔ اس ناول کے پہلے باب میں انھوں نے اپنے بچپن کی شرارتوں کا ذکر کیا ہے۔ پھر شریر لڑکی سے ملاقات اور اس سے شادی کرنے کا ذکر ہے۔ (۲۵) اس ناول میں ناول نگار عورت کی بے لگام آزادی پر تنقید کرتا ہے۔ پھر پردہ کی رسم کے خلاف بات کرتا ہے۔ پھر عزت و عصمت کے فلسفے کو اسلامی اصولوں کی نظر میں دیکھتا ہے۔ عظیم بیگ چغتائی اپنے ناولوں میں واقعات کو ایسے بیان کرتے ہیں کہ واقعات صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس سے پڑھنے کو جہاں لطف حاصل ہوتا ہے وہاں وہ بہت دیر تک اسی کیفیت میں مبتلا رہتا ہے۔ ان کا اسلوب دلچسپ اور فطری ہے۔

علی عباس حسینی (۳ فروری ۱۸۹۷ء۔۱۹۶۹ء) کو دوران تعلیم مرزا ہادی رسوا اور مولانا عبدالماجد دریابادی کی شاگردی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ (۲۶) تعلیم مکمل ہونے کے بعد انھیں سرکاری ملازمت مل گئی۔ گورنمنٹ ہائی سکول غازی پور میں ہیڈ ماسٹر بھی رہے۔

اُن کا پہلا ناول ''سر سید احمد پاشا عرف قاف کی پری'' ۱۹۱۹ء میں لکھا گیا۔ ایک اور ناول ''شاید کے بہار آئی'' کے نام سے شائع ہوا۔ ان کے ناول 'سر سید احمد پاشا یا قاف کی پری' میں ایک رئیس سید احمد جو کہ عراق میں رہائش پذیر ہیں، ایک کنیز خریدتا ہے اور پھر اس پر عاشق ہو جاتا ہے، کنیز بھی اس سے پیار کرنے لگتی ہے لیکن اظہار محبت کی نوبت نہیں آتی۔ وہ اسے آزاد کر کے قسطنطنیہ بھیج دیتا ہے۔ بعد میں وہ ایک وفد کے ساتھ ترکی جاتا ہے تو وہاں سلطان ترکی کے داماد اکمل پاشا کی لڑکی کی جان بچانے کے چکر میں زخمی ہو جاتا ہے، بعد میں پتہ چلتا ہے کہ یہ لڑکی وہی کنیز ہے جسے اس نے آزاد کیا تھا۔ ان کی محبت دیکھتے ہوئے سلطان ان دونوں کی شادی کر دیتا ہے اور سید احمد کو سر کا خطاب بھی عطا کیا جاتا ہے۔ ناول کا اختتام تشنگی کو ختم کر دیتا ہے۔ شروع میں پڑھنے والے کو اُن کی

حماقت پہ غصہ آتا ہے کہ دونوں محبت کرتے ہیں تو اظہار کیوں نہیں کرتے اور جدا کیوں ہو جاتے ہیں مگر جب ناول نگار انھیں ترکی میں دوبارہ ملاتا ہے تو کہانی میں ایک نئی جان پڑ جاتی ہے۔ دوسرے ناول ''شاید کہ بہار آئی'' میں علی عباس حسینی نے ناول کی کہانی میں دو میاں بیوی کی نفسیاتی الجھنوں کو پیش کیا ہے۔ دونوں پڑھے لکھے ہیں۔ دو ایسے لوگوں کی شادی کی کہانی پیش کی گئی جو ایک دوسرے کے مزاجوں سے واقفیت نہیں رکھتے مگر آہستہ آہستہ قریب آجاتے ہیں۔

ایم اسلم (۱۸۹۸ء۔۱۹۸۳ء) لاہور میں پیدا ہوئے۔ پہلا ناول انیس سال کی عمر میں لکھا۔ اس کے بعد تو انھوں نے اتنے ناول لکھے کہ شمار کرنا مشکل ہوگیا۔ ان کے ناولوں میں شمسہ، رقص ابلیس، شام وسحر، آخری رات، شام غریباں، بیتی باتیں نرگس، چشم لیلیٰ، حسن سوگوار اسان، آپ بیتی نکر، اشک ندامت رقص بہار، جہنم، راز و نہار، سیدھی لکیر، فریاد خاموش، ہیر رانجھا در توبہ، خواب جوانی، سہاگن، پڑوسن، خونِ مزدور، ناظمہ کی آپ بیتی ضرب مجاہد، پاسبانِ حرم، مردِ غازی، مہدی، تیغ ابدانی، خونِ مسلم، جوئے خون، زوال احمرا، تارتار، فتنہ، معرکہ بر، فاتحہ فلسطینیہ، صبح احمد، خونِ شہیداں، فاتح مکہ، ابوجہل، محاصرہ لاریب، غزالہ صحرا شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بھی انھوں نے کئی ناول لکھے ہیں۔

ضیا سرحدی نے ایک ناول ''حد نگاہ'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ اس ناول میں ادبی جملے بھی پائے جاتے ہیں اور کردار نگاری بھی خوب ہے۔ اس ناول میں بھی ترقی پسند سوچ ملتی ہے۔ یہ ایک عیاش نوجوان کا قصہ ہے جو کہ ایک پروفیسر ہے اور وہ مختلف لڑکیوں کو محبت کا جھانسا دیتا ہے۔

اس ناول میں دو عورتیں ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں اور اسی طرح دو مرد ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ طویل مکالموں کی وجہ سے بعض جگہ ناول میں دلچسپی کا عنصر کم ہو جاتا ہے۔ یہ ناول ایک المیاتی صورت حال کو پیش کرتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ ایک کامیاب المیہ ہے۔ (۲۷)

خاورہ جو کہ پروفیسر سے شادی کرتی ہے ایک عیاش عورت ہے جس کی پروفیسر سے نہیں بنتی۔ یہ ناول ایک المیہ بھی ہے اور رومانی قصہ بھی۔

بیگم زینب عبدالقادر (۱۸۹۸ء۔۱۹۷۶ء) کا ناول ''تخت باغ'' کے نام سے شائع ہوا۔

اے آر خاتون کا اصل نام امت الرحمٰن تھا۔ وہ ۱۹۰۰ء میں کوچہ چیلاں دہلی میں پیدا ہوئیں۔ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان ہجرت کر کے لاہور میں رہنے لگیں۔ وہیں ۲۴ فروری ۱۹۶۵ء کو ان کا انتقال ہوا۔

اردو ناول نگاری میں ان کا نام مشہور و معروف ہے۔ ان کے چار ناول ہیں جن کے نام، شمع، تصویر، افشاں اور چشمہ ہیں۔ 'بڑی بوڑھیوں کی کہی ہوئی کہانیاں' کے عنوان سے بھی ان کی ایک کتاب شائع ہوئی۔ (۲۸)

ان کا ناول ''شمع'' ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔ اس ناول میں دو بھائیوں اور ان کی اولاد کی کہانی اور رشتہ داری کو بیان کیا گیا ہے۔ اختر حسن اور بدرالحسن دو بھائی ہیں۔ اختر حسن جج ہے اور بدرالحسن زمیندار۔ شمع اختر حسن کی لڑکی ہے جو کہ گریجوایٹ ہے۔ جبکہ بدرالحسن کی ماں کی خواہش ہے کہ وہ شمع کو اپنی بہو بنالیں، ان کا بیٹا جاہل اور گنوار ہے۔ اختر حسن اپنی بیٹی کیش ادی ایک ذہین نوجوان منصور سے کرنا چاہتے ہیں۔ مختلف حادثات اور سانحات کے بعد آخر شمع اور منصور کی شادی ہو جاتی ہے۔ بقول حسن اختر ملک:

> ''ان کے ناولوں کے عنوانات ان کی ہیروئن کے نام پر رکھے گئے ہیں انھوں نے ان ناولوں میں دہلی کی تہذیب کے دلچسپ مرقعے پیش کیے ہیں ان کے مکالمے دلچسپ اور فطری ہوتے ہیں مگر ان کے ناولوں

[illegible]

ایم ڈی تاثیر ۲۸ فروری ۱۹۰۲ء کو اجنالہ ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ شاعری بھی کرتے تھے اور نقاد بھی تھے۔ وہ محکمہ تعلیم سے منسلک تھے کئی کالجوں میں پرنسپل رہے۔ فیض احمد فیض کے قریبی ساتھیوں میں شامل تھے۔
ان کی مختلف اور متنوع تحریریں شائع ہوئیں۔ ان کا ناول ''کنول'' کے نام سے شائع ہوا۔ ان کا انتقال ۳۰ نومبر ۱۹۵۰ء کو لاہور میں ہوا۔

حجاب امتیاز علی (۱۹۰۳ء۔ ۱۹۹۹ء) امتیاز علی تاج کے رسالے ''تہذیب نسواں'' میں لکھتی رہیں۔ پطرس بخاری کے کہنے پر انھوں نے اپنے ڈرامے 'انار کلی' کا انتساب ان کے نام کیا۔ یوں ان کا تعلق بڑھا جو ۱۹۳۴ء میں دونوں کی شادی پر منتج ہوا۔ ان کے تحریروں میں رومانویت پائی جاتی ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے حجاب امتیاز علی کا ناول ظالم محبت (۱۹۴۰ء) شائع ہوا۔

مجنوں گورکھپوری (۱۹۰۴ء) کا پورا نام احمد صدیق تھا اور مجنوں تخلص۔ ۱۹۳۴ء میں آگرہ یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم اے کیا، اور ۱۹۳۵ء میں ایم اے اردو کلکتہ یونیورسٹی سے کیا۔ تقسیم ملک کے بعد کراچی آ گئے۔ انھوں نے شاعری سے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا پھر افسانے لکھے، تنقیدی مضمون لکھے اور ناول بھی لکھا۔ اردو میں ڈائری کی ہیئت میں ناول لکھنے والوں میں سرفہرست نام مجنوں گورکھپوری کا ہے۔ ان کا ناول ''سراب'' ڈائری کی ہیئت میں لکھا گیا ہے۔

شوکت تھانوی (۳ فروری ۱۹۰۴ء۔ ۱۹۶۳ء) نے روز نامہ ''ہمدم''، روز نامہ ''اودھ اخبار''، رسالہ ''کائنات'' میں ملازمت کی۔ ریڈیو کے لیے ڈرامے اور خاکے لکھے۔ ریڈیو پاکستان سے بھی وابستہ رہے۔ ۱۹۵۷ء سے لے کر اپنی وفات تک روز نامہ ''جنگ'' سے وابستہ رہے۔ ۱۹۳۰ء میں شائع ہونے والے افسانے ''سودیشی ریل'' سے انھیں شہرت ملی۔ ناول نگاری کے حوالے سے ۱۹۳۲ء میں پہلا ناول لکھا۔ جس کا نام ''بزِ ہوس'' تھا۔ ان کی تحریروں میں مزاحیہ اسلوب پایا جاتا ہے اور یہی ان کی بنیادی شناخت ہے۔ ان کا انتقال ۶ رمئی ۱۹۶۳ء کو ہوا۔ قیام پاکستان تک شائع ہونے والے ان کے ناولوں میں سوتیا چاہ (۱۹۳۵ء)، دل پھینک (۱۹۳۵ء)، خانم خاں (۱۹۳۷ء)، معمہ خاتون (۱۹۳۸ء)، ڈھونگ (۱۹۴۰ء)، بکواس (۱۹۴۳ء)، کتیا (۱۹۴۵ء)، بیوی (۱۹۴۵ء)، انشاء اللہ (۱۹۴۶ء)، کارٹون (۱۹۴۷ء)، غزالہ (۱۹۴۷ء)، جوڑتوڑ (۱۹۴۷ء)، شامل ہیں۔

لطف اللہ بدوی ۲۱ جولائی ۱۹۰۴ء کو شکارپور سندھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے ناولوں میں جہاندار شاہ، آرام دل، ایلا، مجاہدین عروس انجم، تاریخ اندلس شامل ہیں۔ ان کا انتقال ۱۹ نومبر ۱۹۶۸ء کو ہوا۔

ممتاز مفتی (۱۱ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ ۱۹۹۵ء) بٹالہ ضلع گورداس پور میں پیدا ہوئے۔ ''ادبی دُنیا'' کے ایڈیٹر منصور احمد کے کہنے پر انھوں نے ۱۹۳۶ء میں اپنا پہلا افسانہ ''جھکی جھکی آنکھیں'' لکھا۔ اس کے بعد انھوں نے بہت سے افسانے اور ناول لکھے۔

سجاد ظہیر (۵ نومبر ۱۹۰۵ء۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۷۳ء) کی پیدائش لکھنو میں ہوئی۔ وہ ہندوستان میں ترقی پسند تحریک کے بانیوں میں سے تھے۔ ۱۹۳۶ء میں انھوں نے ایک ناول ''لندن کی ایک رات'' کے نام سے لکھا۔ جو کہ ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔

"لندن کی ایک رات" میں انھوں نے ملک سے باہر مقیم ہندوستانیوں کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔اس ناول میں اصل
نے شعوری رو کا بھی استعمال کیا ہے۔ناول کا آغاز ان ہی لفظوں سے کرتے ہیں۔

"لندن نہایت گھنے دھند کی لپیٹ میں ہے۔ تاریک کہرے سے ڈھکا ہوا ہے۔ ایک ایسا غلاف جو نم ہو اور
ٹھنڈا جس سے چھاتی دبی ہوئی محسوس ہو اور منہ ڈھانپ دیا جائے، سانس مشکل سے لی جائے۔ سانس
لیتے وقت یہ معلوم ہوتا ہے گویا ننھے ننھے پانی کے قطرے جمتے ہوئے ہیں،
روئیں روئیں میں گھس رہی ہے تکلیف دہ ہے۔" (۳۰)

اس کے کرداروں میں نعیم، شیلا، عارف، راؤ اعظم، خان بہادر احسان، مسٹر کریم بیگم شامل ہیں۔ نعیم اور شیلا کے کردار مرکزی ہیں۔

ترقی پسند تحریک میں انھیں کئی حوالوں سے اولیت حاصل ہے۔اسی طرح یہ ناول "لندن کی ایک رات" ترقی پسندی کی وجہ سے اہمیت کا حامل رہے گا۔

ترقی پسند ناول نگاروں کا موقف انسانی برادری کے احساس اور دردمندی سے ہم آہنگ ہے اور انھوں نے اذیت ناک لمحوں کی روداد بیان کرتے ہوئے مثالی انسانی اقدار کی حرمت کو برقرار رکھا اور یہ تاثر دیا کہ ہر تخریب اپنے اندر تعمیر کا پہلو رکھتی ہے۔چنانچہ اسی اصول کے تحت اس ابتلائے عظیم نے اجتماعی بے حسی اور بے عملی کو دور کرکے انسانوں کو نا صرف چھو کرنے پر مجبور کیا بلکہ انھیں چلنا بھی سکھا دیا۔

منزہ اود حسن کا تعلق بہار سے تھا۔ان کا ناول ۱۹۲۷ء میں "روشن بیگم" کے نام سے سامنے آیا۔اس ناول میں عورتوں کے مسائل بیان کیے گئے ہیں اور اس کا اسلوب مکالماتی ہے۔ (۳۱)

سید علی سجاد عظیم آبادی کا تعلق بہار سے ہے۔ان کے ناول "نئی نویلی" اور "محل خانہ" ۱۹۳۰ء میں سامنے آئے۔ان کے ناول اصلاحی انداز کے ہیں۔ان ناولوں میں اصلاح معاشرہ اور بالخصوص عورتوں کی اصلاح کا خیال رکھا گیا ہے۔

بہار کے ناول نگار مرتش گیاوی کا ناول ثمرۂ نافرمانی ۱۹۱۹ء میں سامنے آیا۔جمیل مظہری کا ناول شکست و فتح ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔ (۳۲)

شائع عثمانی کے چار ناول تقسیم ہند سے قبل ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۸ء تک کے عرصہ میں شائع ہوئے، ان کا تعلق بھی بہار سے ہے۔ان کے ناولوں میں چاند ماما، بزم آرا شامل ہیں۔ (۳۳) ہوسکتا ہے کہ فنی لحاظ سے ان ناولوں کی اہمیت نہ ہو مگر انہیں نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ اپنے دور کے سماجی شعور کی نمائندگی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

محسن گیاوی کا تعلق بہار سے ہے۔ان کا ایک ناول ۱۹۳۷ء میں "نشتر حیات" کے نام سے شائع ہوا۔اس ناول میں تیسری زندگی کو سامنے لایا گیا ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پروفیسر سید جمیل واسطی ۲۵ دسمبر ۱۹۰۵ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔وہ انگریزی زبان وادب کے استاد تھے۔ناول نگاری شروع کی تو تین ناول تحریر کیے۔ان کے ناولوں میں خوف کا جنون، فریب، فرار، چمن لٹ گیا شامل ہیں۔

سید ابو تمیم فرید آبادی (۱۹۰۵ء۔ ۱۹۷۹ء) دہلی کے قریب فرید آباد میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام میر سید احمد شفیع نیر فرید آبادی تھا۔وہ مشہور مصنف ہاشمی فرید آبادی اور مظلمی فرید آبادی کے بھائی تھے۔انھوں نے زیادہ تر بچوں کے لیے لکھا اور مزاح میں بھی طبع آزمائی کی۔انھوں نے ایک ناول بھی تحریر کیا۔"رنگین لفافہ" کے نام سے۔

مظہر باشی کے ناولوں میں محمد بن قاسم، سلطان شہید، خالد بن ولید شامل ہیں۔

محمد ابو الفضل صدیقی (۴ ستمبر ۱۹۰۸ء۔ ۱۹۸۷ء) عارف پور نوادہ ضلع بدایوں میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے پہلا ناول تعزیر کے نام سے لکھا جو کہ ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا۔

صبا اکبرآبادی ۱۴ اگست ۱۹۰۸ء کو اکبرآباد میں پیدا ہوئے۔ وہ سلطان جمیل نسیم اور تاجدار عادل کے والد تھے۔ صبا اکبرآبادی کا ناول "زندہ لاش" کے نام سے ۱۹۲۸ء میں سامنے آیا۔ ان کا انتقال ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۱ء میں ہوا۔

غلام عباس (۱۷ نومبر ۱۹۰۹ء) شروع میں آل انڈیا دہلی سے منسلک ہوئے قیام پاکستان کے بعد لاہور آگئے اور ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۲ء تک بی بی سی لندن میں پروڈیوسر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ان کا پہلا ناولٹ "جزیرہ سخن وراں" دہلی سے ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا۔ ان کا ناول "گوندنی والا تکیہ" ایک چھوٹا سا ناول ہے جسے سادہ اسلوب میں لکھا گیا ہے۔

بعض اسے ناولٹ قرار دیتے ہیں مگر ڈاکٹر ممتاز احمد خان نے اسے ناول قرار دیا۔ غلام عباس نے خود دیباچہ میں اسے ناول کہا۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان لکھتے ہیں:

> "وہ اسے بیک وقت طویل مختصر افسانہ، چھوٹا ناول اور ناول سمجھتے رہے تھے۔ اگر ہم گوندنی والا تکیہ کا مطالعہ کریں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اس میں انھوں نے ایک ایسے عہد کو سمیٹا ہے جس میں بیس سال میں زبردست معاشرتی، سماجی تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں۔ پرانی اقدار سڑ گل گئی ہیں اور نئی اقدار معاشرے سے اپنا حق مانگتی نظر آ رہی ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ چھوٹے کینوس پر نظر آتا ہے۔" (۳۴)

اس ناول کے اہم کرداروں میں سلطان، پٹواری، سائیں نگینہ، مولو اور مہتاب وغیرہ شامل ہیں۔

سلطان بیس سال بعد واپس آتا ہے اسے گوندنی والا تکیہ جہاں شاہ مستان کا مزار تھا نظر نہیں آتا۔ اسے اپنے دور کے اور بھی بہت سے لوگوں کی تلاش ہے وہ لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ملتا ہے۔ اس میں استاد فلک کی بیٹی مہتاب کا ذکر ہے جسے وہ اپنے استاد پٹواری شمس الدین کے سپرد کر جاتا ہے وہ جب جوان ہوتی ہے تو پٹواری اس کی شادی اس کی مرضی کے خلاف کرنے لگتا ہے، وہ سلطان سے محبت کرتی ہے جب کہ سلطان اس کا رشتہ اپنے دوست مولو سے طے کرا دیتا ہے۔ مہتاب بیمار ہو کر مر جاتی ہے۔

عشرت رحمانی (۱۶، اپریل ۱۹۱۰ء۔ ۱۹۹۲ء) رامپور (یو۔ پی) میں پیدا ہوئے۔ ان کا ناول "مرزا نوشہ" ایک ادبی تاریخی ناول ہے جس میں مرزا غالب کی زندگی اور حالات و واقعات کو اس طرح مدنظر رکھا گیا ہے کہ یہ ایک سوانحی ناول کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ عشرت رحمانی مرزا غالب کی شادی کا احوال اور مرزا کے تاثرات قلم بند کرتے ہوئے ناول میں لکھتے ہیں:

> "ہم آزاد پنچھی یاروں کی صحبت میں دن رات گزارنے والے اس پابند زندگی کو کیونکر گوارا بنائیں۔ اور پھر دلہن بے چاری امیرزادی سہیلیوں میں گڑیوں کا کھیل کھیلتے کھیلتے ہمارے دامن سے باندھ دی گئی۔" (۳۵)

انھوں نے اس ناول میں غالب کی زندگی کے خانگی معاملات سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھا ہے:

> "مرزا صاحب خواجہ حاجی کو اپنی بے وقت شادی کا موجب اور خاندان کا دشمن گردانتے تھے۔ ان کے بھتیجوں خواجہ جان اور خواجہ امان کو جو حصہ ملتا تھا وہ غلط تھا۔" (۳۶)

مرزا صاحب کا سفر کلکتہ ایک تاریخی سفر کی حیثیت رکھتا ہے جس پر کئی محققین تحقیق کر چکے ہیں۔ اس ناول میں سفر کلکتہ سے واپسی کے حالات لکھتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

دگلی قاسم جان میں جہاں مرزا نوشہ (غالب) مسکن گزیں ہیں غیر معمولی چہل پہل ہے آج مرزا صاحب کے کلکتہ کے سفر سے سلامتی کے ساتھ واپس آنے کی خوشیاں منائی جارہی ہیں۔ بیگم نے صدقہ خیرات تقسیم کیے ڈومنیاں مبارک سلامت کے شادیانے گارہی ہیں۔ (۳۷)

اس ناول میں مرزا غالب کے حالات کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا گیا ہے اور کہانی کے انداز میں تمام حالات رقم کیے گئے ہیں۔

مرزا نوشہ اور عمر خیام ان کے سوانحی ناول ہیں۔ جن میں دو بڑی شخصیات کے سوانحی حالات رقم کیے گئے ہیں۔ ان کا ناول سرفروش شام کی سرزمین سے تعلق رکھتا ہے جس میں ایک قبائلی سردار عمران کا ذکر ہے اور سعد ان کا بھتیجا ہے عیسائی سردار کی بیٹی اسماء کو لے جاتے ہیں، عمران اور اس کا بھتیجا اسے واپس لانے کے لیے جاتے ہیں تو سعد ان کی ملاقات شہزادی سے ہوتی ہے جو اس ناول کی ہیروئن ہے۔ یہ ناول انھیں دونوں کے عشق کی کہانی ہے۔

اوپندر ناتھ اشک (۱۴دسمبر ۱۹۱۰ء۔۱۹۹۶ء) جالندھر مشرقی پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محکمہ ریوے میں اسٹیشن ماسٹر تھے۔ انھوں نے ۱۹۳۹ء میں اپنا ضخیم ناول ''گرتی دیواریں'' شروع کیا۔ پہلی جلد کا نقش اول ۱۹۴۱ء میں اور نقش ثانی ۱۹۴۳ء میں مکمل ہوا۔ مگر ناشر نہ مل سکا۔ اس کا ہندی ترجمہ ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا۔ اردو روپ کہیں ۱۹۸۳۔۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔ یہ اشک کا سوانحی ناول ہے جس کی آخری جلد پہلی بیوی کے انتقال دسمبر ۱۹۳۶ء پر ختم ہوتی ہے۔

ان کا ناول ''ستاروں کے کھیل'' ۱۹۴۲ء میں سامنے آیا۔ اس میں ایک طالب علم بنسی لال کا لتا سے عشق دکھایا گیا ہے۔ اس کے سچے عشق کی لتا نے قدر نہیں کی اور وہ جگت کی باتوں میں آ گئی۔ جگت نے اسے پھانس لیا اور پھر چھوڑ دیا۔ لتا کی بیوفائی کی وجہ سے بنسی لال کھڑکی سے چھلانگ لگا کر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتا ہے۔ لتا ڈاکٹر امرت رائے سے اس کا علاج کرواتی ہے۔ ڈاکٹر امرت رائے بھی لتا پر عاشق ہو جاتا ہے۔ لتا مایوس ہو کر بنسی لال کو زہر دیتی ہے تو ڈاکٹر اس سے متنفر ہو جاتا ہے۔ لتا اپنے گھر واپس آجاتی ہے اور بیماری کے عالم میں مرجاتی ہے۔ اس ناول میں انھوں نے وفاداری، محبت کے جذبات اور عورت کے رویے کو دکھایا ہے۔

عزیز احمد (۱۱رنومبر ۱۹۱۳ء) عثمان آباد ضلع بارہ بنکی حیدرآباد (دکن) میں ہوئی۔ جامعہ عثمانیہ میں انگریزی کے لیکچرار کے طور پر تعینات ہوئے اور وہاں ۱۹۴۹ء تک کام کرتے رہے۔ ان کا پہلا ناول ''ہوس'' کے نام سے ۱۹۳۱ء میں لکھا اور شائع کرایا۔ ان کے ناولوں میں مرمر اور خون (۱۹۳۲ء)، گریز (۱۹۴۲ء)، آگ، (۱۹۴۵ء)، قیام پاکستان سے پہلے شائع ہوئے۔ ان کا ناول مرمر اور خون ایک ایسی لڑکی کی کہانی ہے جس کی ماں یورپین اور باپ ہندوستانی ہے۔ اس کے اندر مشرقی اور مغربی تضاد پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس ناول کی بنیاد اسی تضاد پر رکھی گئی ہے۔ اس کا کردار طلعت ایک تخلیقی اور شاعرانہ کردار کے روپ میں سامنے آتا ہے۔ اس میں منظر کشی پر خاص طور پر توجہ دی گئی ہے۔

اپنے ناول ''گریز'' میں عزیز احمد نے ایک نوجوان نعیم الحسن کو دکھایا ہے کہ وہ آئی سی ایس میں منتخب ہونے کے بعد کس طرح خوبصورت لڑکیوں کو حاصل کرنے کے خواب دیکھتا ہے مگر اس میں ناکام رہتا ہے۔ اس ناول میں نعیم الحسن کے انگلستان جانے کے بعد وہاں اس طرح کی صورتحال دکھائی گئی ہے جس سے غلامی کا احساس فزوں تر ہوتا ہے۔ وہ اپنا مقصد حاصل نہ کرنے کی وجہ سے ایک شکی مزاج اور ناکام اور غیر مطمئن انسان نظر آتا ہے۔

عزیز احمد کا یہ کنٹری بیوشن (Contribution) ہے کہ انھوں نے ناول کے کاز (Cause) کو اپنی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ آگے بڑھایا۔ (۳۸)

احسان بی اے نے ادب اور صحافت میں نام کمایا۔ ان کا ناول "در یتیم" شبلی بی اے کے رسالے [illegible] میں ۱۹۲۲ء [illegible]
قسط وار شائع ہوتا رہا۔ اس ناول میں حضور اکرم کی زندگی کے حوالے سے مختلف ابواب بنائے گئے ہیں۔ چار ابواب میں [illegible]
حضور ﷺ کی ولادت سے پہلے عرب کا معاشرہ اور حضور اکرمؐ کے دادا کی، انؐ کی والدہ اور دایہ حلیمہ کی شخصیات پر بڑے ادب
واحترام سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس ناول میں تاریخ اور تحقیق کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

عصمت چغتائی (۲۱ راگست ۱۹۱۵ء۔۱۹۹۱ء) بدایوں میں پیدا ہوئیں۔ وہ مرزا عظیم بیگ کی چھوٹی بہن تھیں۔ عصمت چغتائی نظریاتی طور پر ترقی پسند تھیں۔ ان کی تحریروں میں بے باکی اور حقیقت نگاری ملتی ہے۔ ان کے ناولوں میں ضدی (۱۹۴۲ء)، ٹیڑھی لکیر (۱۹۴۵ء)، قیام پاکستان سے پہلے شائع ہوئے۔

ان کا پہلا ناول "ضدی" میں ایک کم عمر لڑکے پورن کی ذہنی پیچیدگیاں دکھائی گئی ہیں۔ یہ ناول رومانی اور جذباتی طرز کا ہے۔ پورن کا تعلق اعلیٰ طبقے کے گھرانے سے ہوتا ہے وہ اپنی ملازمہ کی نواسی آشا کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس سے شادی کی ٹھان لیتا ہے۔ اس کے گھر والے اس سے انکار کر دیتے ہیں۔ گھر والے آشا کو پورن کی بہن کے پاس بھیج کر یہ مشہور کر دیتے ہیں کہ وہ مر گئی۔ اب پورن کو بھی شانتا کی نند کے ساتھ شادی پر راضی کر لیا جاتا ہے۔

شادی کی تقریب میں منڈپ کے موقع پر آگ لگ جاتی ہے پورن اپنی بہن شانتا کو بچاتا ہے تو اس کی نظر آشا پر پڑ جاتی ہے اور اسے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔ مگر اسے پھر غائب کر دیا جاتا ہے پورن اس کی جدائی میں کمزور اور بیمار ہو جاتا ہے۔ اس کی بیوی اس کے رویے سے تنگ آ کر مہیش کے ساتھ نکل جاتی ہے، پھر پورن کی صحت کی بحالی کے لیے آشا کو لایا جاتا ہے مگر اب وقت گزر چکا ہوتا ہے آشا بھی پورن کو بحال نہیں کر سکتی، یوں یہ ناول پورن کی ضد کے گرد گھومتا ہے۔

عصمت چغتائی کے ناول "ٹیڑھی لکیر" میں متوسط خاندانی لڑکیوں کے نفسیاتی مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں معاشرتی برائیوں کو کھلے لفظوں میں سامنے لایا گیا ہے۔ اس ناول کا مقصد خاندانوں کی اصلاح اور معاشرہ کی درستی ہے۔ اس ناول کا اصل موضوع جنس ہے لیکن مقصد لڑکیوں کی اصلاح اور اصلاح کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم و تربیت بھی ہے۔ اس ناول کے کردار ہمارے اردگرد معاشرے میں پھیلے ہوئے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ اس ناول میں عصمت چغتائی نے ان کرداروں کی شخصیت کا نفسیاتی جائزہ پیش کیا ہے۔ بعض ناقدین نے اس ناول پر جنس پرستی کا لیبل لگا کر اس پر تنقید بھی خوب کی ہے۔ کہ عصمت نے معاشرتی غلط کاریوں کو غلط انداز میں پیش کیا ہے۔ اور اس پر عریانی اور خود لذتیت کا الزام لگایا ہے۔ انھوں نے گندگی کو ڈھکے چھپے الفاظ میں بیان کرنے کے بجائے کھلے لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔

'اماں کو تو دنیا کا بس ایک کام آتا تھا اور وہ تھا بچے پیدا کرنا۔ اس سے آگے نہ انھیں کچھ معلوم تھا اور نہ ہی کسی نے بتانے کی ضرورت محسوس کی۔ ابا جان کو بچوں سے زیادہ بیوی کی ضرورت لاحق۔' (۳۹)

ان کے ناول ٹیڑھی لکیر پر عریانی کا بھی الزام لگا اور اس کی وجہ سے عصمت کو بھی بدنامی کا سامنا کرنا پڑا۔

نسیم حجازی (۱۹ مئی ۱۹۱۹ء۔۱۹۹۶ء) سوجان پور ضلع گورداس پور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے بی اے میں اپنا پہلا ناول "داستان مجاہد" لکھا۔ قیامِ پاکستان سے پہلے پانچ ناول شائع ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد متعدد ناول لکھے جو مشہور ہوئے۔ ۱۹۴۷ء تک شائع ہونے والے ان کے ناولوں میں داستان مجاہد (۱۹۴۳ء)، انسان اور دیوتا (۱۹۴۴ء)، محمد بن قاسم (۱۹۴۵ء)، آخری چٹان (۱۹۴۶ء)، شاہین (۱۹۴۷ء) شامل ہیں۔

منشی ندیم صہبائی فیروز پوری نے اردو ناول میں سائنس فکشن کو استعمال کیا ہے۔ ۱۹۳۰ء کے قریب سامنے آنے والا ان کا ناول

منتقلی پیش آئی۔ یہ صرف جاسوسی طرف کا ہے بلکہ اس میں منشی ندیم نے سائنس کو بھی استعمال کیا۔ جس میں دو عورتوں کے دماغ بذریعے دماغ تبدیل کیے گئے، ایک عورت پاگل تھی جب کہ دوسری کا دماغ صحت مند تھا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اس ناول کو اس دور میں لکھا گیا جب کہ ابھی میڈیکل سائنس میں انسانی اعضا کی منتقلی کا عمل شروع نہیں ہوا تھا۔

خان محبوب طرزی نے تعداد کے حوالے سے اچھے خاصے ناول لکھے ہیں مگر ان کا نام اپنے دور کے دوسرے معروف ناول نگاروں کی وجہ سے سامنے نہ آسکا۔ انھیں ہم اردو کا پہلا سائنس فکشن رائٹر بھی کہہ سکتے ہیں۔ ان کے ناولوں میں تاریخی واقعات تخیل آفرینی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ ان کے ناول موضوعات کے حوالے سے تنوع رکھتے ہیں۔ ان میں ہندوستان، اسپین اور عرب کی سرزمین تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے ناولوں میں 'حادثہ'، 'مصنوعی چاند'، 'عالم امکاں'، 'پارس'، 'شباب قرطبہ'، اور 'مردِ مجاہد' قابل ذکر ہیں۔ آزادی سے پہلے لکھے گئے ان کے ناولوں میں قیامت صغریٰ، سفر زہرہ، فولادی پتلی، شہزادی شب نور وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے یہ ناول سائنس فکشن کی طرز کے ہیں۔

قمر اجنالوی (یکم مارچ ۱۹۲۱ء۔ ۲۹ مئی ۱۹۹۳ء) بھلروال تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ان کا ناول "معرکہ پانی پت" ۱۹۳۹ء میں سامنے آیا اس میں احمد شاہ ابدالی کی مرہٹوں کے ساتھ جنگ کا احوال رقم ہے۔ ناول "پرتھال" میں دکن کی ایک ہندو ستار کی بیٹی پرتھال کی فیروز شاہ کے بیٹے شہزادہ حسن سے محبت کا واقعہ درج کیا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ کلیم الدین احمد مولوی، خط تقدیر، مرتبہ ڈاکٹر محمود الٰہی، لکھنؤ، مطبوعہ دانش محل، مارچ ۱۹۶۵ء، ص ۱۱

۲۔ ابواللیث صدیقی، آج کا اردو ادب، لاہور، فیروز سنز، ص ۲۱۳

۳۔ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، تیسویں ایڈیشن، ۲۰۱۳ء، ص ۳۰۲

۴۔ یوسف سرمست، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، نئی دہلی، ترقی اردو بیورو، ۱۹۹۵ء، ص ۵۷

۵۔ رسوا، مرزا ہادی، امراؤ جان ادا، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۲۰۱۲ء، ص ۴۰، ۴۱

۶۔ امراؤ جان ادا، ص ۹۲

۷۔ رسوا، مرزا ہادی، امراؤ جان ادا، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۲۰۱۲ء، ص ۱۳

۸۔ سلیم اختر، نگاہ اور نقطے، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۷ء، ص ۸۳

۹۔ وقار عظیم، سید، داستان سے افسانے تک، لاہور، مجلس ترقی ادب، ص ۷۰

۱۰۔ سہیل بخاری، اردو ناول نگاری، لاہور، مکتبہ جدید، ۱۹۶۰ء، ص ۷۰، ۷۱

۱۱۔ محمد عارف، ڈاکٹر، اردو ناول اور آزادی کے تصورات، لاہور، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۱۱ء، ص ۳۵۹

۱۲۔ رشید امجد گوریجہ، ڈاکٹر، اردو میں تاریخی ناول، لاہور، ابلاغ، ۱۹۹۴ء، ص ۳۲۲

۱۳۔ سہیل بخاری، اردو ناول نگاری، لاہور، مکتبہ جدید، ص ۸۹

۱۴۔ یوسف سرمست، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، نیشنل بک ڈپو، حیدر آباد، ۱۹۷۳ء، ص ۱۰

۱۵۔ پریم چند، بازار حسن، لاہور، شیخ بک ایجنسی، ۱۹۶۲ء، ص ۲۰۵

۱۶۔ پریم چند، چوگان ہستی، دہلی، ڈائمنڈ بکس، ۲۰۰۱ء، ص ۲۳۵

پریم چند، میدان عمل، دہلی، واشنگٹن بکس، ۲۰۰۱ء، ص ۹۷

۱۷۔ جابر علی سید، تنقید اور لبرزم، ملتان، کاروان ادب، ۱۹۸۲ء، ص ۱۳۳

۱۸۔ سہیل بخاری، اردو ناول نگاری، ص ۱۰۸

۱۹۔ محمد عظیم اللہ، ڈاکٹر، اردو ناول پر انگریزی ناول کے اثرات، لاہور، دار الشعور، ۲۰۱۵ء، ص ۱۸۳

۲۰۔ عبد الغفار قاضی، لیلیٰ کے خطوط، ۱۹۳۲ء، ص ۳۱

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۹۵

۲۲۔ شگفتہ حسین، ڈاکٹر، بیسویں صدی کے ہندوستانی معاشرے کی تعمیر میں نذر سجاد حیدر کا [illegible]

۲۳۔ عبد اللطیف یونیورسٹی خیر پور سندھ، شمارہ ۱۷، ص ۴۲۱

۲۴۔ نذر سجاد حیدر، نجمہ (ناول)، کراچی عصمت بک ڈپو، ۱۹۴۲ء، ص ۲۲۵

۲۵۔ شمع افروز زیدی، ڈاکٹر، اردو ناول میں طنز و مزاح، لاہور پروگریسو بکس ۱۹۸۸ء، ص ۲۰۵

۲۶۔ علی عباس حسینی، ناول اور ناول نگار، ملتان، کاروان ادب، ۱۹۹۰ء، ص ۲۰۰

۲۷۔ حسن اختر ملک، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، لاہور، یونیورسٹی بک ڈپو، ۱۹۷۹ء، ص ۱۱۱۰

۲۸۔ منیر احمد سلیچ، ڈاکٹر، وفیات اہل قلم، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۸ء، ص ۸۸

۲۹۔ حسن اختر ملک، تاریخ ادب اردو، لاہور، یونیورسٹی بک ڈپو، ۱۹۷۹ء، ص ۱۱۱۱

۳۰۔ سجاد ظہیر، لندن کی ایک رات، ایس اے پبلشرز، ۲۰۰۸ء، ص ۷

۳۱۔ قیام نیر، ڈاکٹر، بہار میں اردو ناول نگاری کا ابتدائی مرحلہ مشمولہ دربھنگہ ٹائمز، ناول نمبر، ص ۱۳۷

۳۲۔ ایضاً

۳۳۔ ایضاً

۳۴۔ گوندنی والا تکیہ۔۔ ایک کمزور ناول از ڈاکٹر ممتاز احمد خان، مشمولہ غلام عباس۔ فکر و فن، مرتبہ ایم خالد فیاض، راولپنڈی نقش گر، ۲۰۱۰ء، ص ۱۷۳

۳۵۔ عشرت رحمانی، مرزا نوشہ، لاہور، مکتبہ خاور، ۱۹۵۷ء، ص ۱۰۸

۳۶۔ ایضاً، ص ۱۸۲

۳۷۔ ایضاً، ص ۹۸

۳۸۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے بدلتے تناظر، کراچی، ویلکم بک پورٹ لمیٹڈ، ۱۹۹۳ء، ص ۴۰

۳۹۔ عصمت چغتائی، ٹیڑھی لکیر، لاہور، چودھری اکیڈمی، ۱۹۴۴ء بار اول، ص ۴۹

☆☆☆